قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۹ شمارہ: ۱۱

ذوالقعدۃ: ۱۴۳۷ھ - ستمبر: ۲۰۱۶ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زرِ سالانہ: ۳۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزّاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سیّد سلیمان یُوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی نمبر: 5، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

ترکی میں اسلامی بیداری کی لہر!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

کامیابی و کامرانی کا راستہ	۱۰	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
قومی خزانے کو نقصان پہنچانا قومی جرم ہے	۱۴	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
علوم حدیث میں اختصاص...اہمیت و ضرورت	۲۷	مولانا محمد یاسر عبداللہ
اجتماعی بیان کی نزاکت اور ضروری احتیاط	۴۲	پروفیسر عبدالرؤف
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ...مشائخ کی نظر میں (قسط:۱)	۴۷	جناب نعمان محمد امین

یادِ رفتگاں

مفتی احتشام الحق آسیا آبادی شہیدؒ	۵۲	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

قربانی کرنے والے کے مقام کا اعتبار ہوگا یا جانور کے مقام کا؟	۵۵	ادارہ

نقد و نظر

	۶۰	ادارہ

ترکی میں اسلامی بیداری کی لہر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

۱۱؍شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۶؍جولائی ۲۰۱۶ء جمعہ وہفتہ کی درمیانی شب برادر اسلامی ملک ترکی کی فوج کے ایک حصے نے منتخب حکومت کو برطرف کرکے اقتدار پر قبضہ کا دعویٰ کرتے ہوئے ملک بھر میں مارشل لاء اور کرفیو نافذ کرنے کا اعلان کردیا۔ دوسری طرف ترک صدر جناب رجب طیب اردوان کی اپیل پر ترک عوام بڑی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے، عوام نے ہاتھوں کی زنجیر بناکر اور ٹینکوں کے سامنے لیٹ کر ان کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور ترک عوام نے اپنے اتحاد اور جذبۂ ایمانی کی بدولت اس فوجی بغاوت کو چند گھنٹوں کے اندر اندر کچل کر رکھ دیا۔

اب ہمارے ملک پاکستان میں سیاست دانوں، دانشوروں، کالم نویسوں اور تجزیہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز میں اس کے تجزیے شروع کردیئے۔ کسی نے کہا: جمہوریت کے خلاف شب خون مارنے والوں کے خلاف ترک عوام کی کامیابی بہت اہم ہے۔ جمہوریت پر شب خون مارنے والوں اور تاریک قوتوں کے سامنے بہادر ترک عوام کا ڈٹ جانا قابل تحسین ہے۔ کسی نے کہا: پاکستان میں فوج آئی تو مٹھائی بانٹی جائے گی۔ کچھ لوگوں نے ہمارے ملک میں یہ پوسٹر بھی لگوادیئے کہ جناب راحیل صاحب! اب آ بھی جاؤ۔ کسی نے بیان دیا کہ: ترکی کے حالات کا موازنہ پاکستان سے نہ کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ: ترکی میں ناکام بغاوت کے حوالے سے پاک فوج کے کردار کو زیر بحث نہ لایا جائے۔ کسی نے کہا کہ: یہ ترک عوام کی جمہوریت کے ساتھ انمٹ محبت اور وفاداری کا ثبوت ہے۔ کسی نے کہا کہ: یہ رجب طیب اردوان کی ملک کو ترقی دینے اور معاشی طور پر ملک کو مستحکم کرنے کی وجہ سے ہوا کہ عوام ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس سے ملتے جلتے کئی پیغامات، بیانات اور کالم لکھے گئے۔

بہرحال ہر ایک نے اپنے اپنے فکر وخیال اور اپنے زاویۂ سوچ کے مطابق پیغام یا بیان اور تجزیہ پیش کیا۔ ہمارے خیال میں ترک عوام نے نہ تو صرف جمہوریت سے محبت کی وجہ سے اس بغاوت کو کچلا ہے اور نہ ہی صرف ملکی ترقی کے پیش نظر اپنی فوج کے سامنے یہ سد سکندری بنی ہے، بلکہ اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کو ہمارے سیاست دان، کالم نگار، ہمارا میڈیا اور اس سے وابستہ اینکرز اور تجزیہ کار شعوری یا لاشعوری طور پر عوام سے چھپا رہے ہیں۔ ترکی کی حالیہ بغاوت کے پس منظر اور صحیح حقائق کو سمجھنے کے لیے ہمیں تھوڑا سا ماضی میں تاریخ کے اوراق میں جھانکنا ہوگا، جس سے واضح ہوگا کہ ترکی عوام میں اپنی فوج کے خلاف اتنا غم وغصہ اور جناب رجب طیب اردوان کی حکومت بچانے کے لیے اتنا عظیم قربانی کا سبب اور وجوہات کیا ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ رکھنے والے اہل علم ودانش یہ بات بخوبی جانتے ہوں گے کہ خلافت عثمانیہ (خلافت راشدہ، خلافت بنوامیہ اور خلافت بنوعباس کے بعد) چوتھی بڑی خلافت تھی جو ۶۴۲ سال (۱۲۸۲ء تا ۱۹۲۴ء) تک قائم رہی، جس کے ۳۷ حکمران مسند آرائے خلافت ہوئے۔ خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے اسلام دشمنوں اور خصوصاً فری میسن نے تین اہداف مقرر کیے:

۱:...... خلافت کو منتشر کرنا اور ایسا مستقل جمہوری نظام قائم کرنا جو کبھی واپس اسلام یا شریعت کی طرف نہ جائے۔

۲:...... دیندار لوگوں کی زیادہ سے زیادہ تضحیک کرنا، انہیں شہید کرنا اور ان کی جگہ مغربی تعلیم یافتہ افراد کو حکومتی عہدوں اور مناصب پر مقرر کرنا۔

۳:...... ملک پر زیادہ سے زیادہ غیر ملکی قرضوں کا بوجھ لادنا اور اس کے ذریعہ اپنی من مانی شرائط طے کرانا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے سلطان وحید الدین محمد سادس ۳۶ ویں سلطان کو اس وقت کے شیخ الاسلام نوری آفندی اور وزیر اعظم احمد توفیق پاشا کے ہمراہ جلاوطن کیا، جو جلاوطنی کی حالت میں ۱۶/مئی ۱۹۲۶ء کو اٹلی میں وفات پاگئے۔ ان کی جلاوطنی کے بعد ۱۹/نومبر ۱۹۲۲ء کو نمائشی طور پر سلطان عبدالمجید آفندی کو خلیفہ بنایا گیا، بظاہر یہ خلافت عثمانیہ کے خلیفہ بنائے گئے، لیکن ان کے پاس اختیارات کچھ نہ تھے اور یہ وہی زمانہ تھا کہ یہود ونصاریٰ اپنے ایجنٹوں سے مل کر خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے درپے تھے اور دوسری طرف متحدہ ہندوستان میں علمائے دیوبند اس خلافت عثمانیہ کو بچانے کی خاطر اپنے ہاں جلسے اور جلوس کے ذریعہ غم وغصہ کا اظہار اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرارہے تھے کہ کسی طرح خلافت بچ جائے اور اس کا وقار، عزت وعظمت بحال ہو، حتیٰ کہ متحدہ ہندوستان میں تحریک خلافت چلانے کی پاداش میں ہمارے اکابر پر غداری کے مقدمات بنے۔ یہ زمانہ ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۴ء کا ہے۔ ہمارے اکابر کی انہیں خدمات کی وجہ سے آج بھی ترکی بھائیوں کے دلوں میں پاکستانیوں کا حد درجہ احترام اور ان کی محبت جاگزیں ہے۔

قصہ مختصر خلافت عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید کو بھی اپنے گھر والوں سمیت ترکی سے جلاوطن کرکے بذریعہ ٹرین سوئٹزرلینڈ پہنچادیا گیا اور ۳؍ مارچ ۱۹۲۴ء کو انگریز کے پروردہ اوران کے زرخرید غلام، مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کا انتظام وانصرام سنبھال لیا اور اپنے آقاؤں کی سپرد کی گئی خدمات کو بجالاتے ہوئے اسلامی خلافت کے خاتمہ کا اعلان کیا، ملک کو سیکولر اسٹیٹ قرار دیا، نظام حکومت جمہوری قرار دیا اور اسلام کے ایک ایک شعار کو مٹایا۔ قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے پر پابندی، عربی میں اذان پر پابندی، نماز کی ادائیگی پر پابندی، حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس عربی تحریر کا ایک لفظ بھی ملتا تو اس پر بھی اُسے سزا ملتی۔ ترکی قوم پر یہ ظلم وجبر تقریباً ستر سال تک مسلط رہا، یہاں تک کہ ۱۹۹۵ء میں نجم الدین اربکان کے دورِ حکومت میں عوام کو کچھ سکون واطمینان ملنا شروع ہوا تو ۱۹۹۶ء میں اس کی حکومت کو فوج کے ذریعہ چلتا کیا گیا اور اس کی پارٹی پر پابندی لگادی گئی۔

اسی کی جماعت کے ایک فرد ترکی کے موجودہ صدر جناب رجب طیب اردوان ہیں، جنہوں نے بڑی ذہانت، فطانت، صبر وتحمل، بردباری، حوصلہ مندی، جرأت وبہادری، بڑی حکمت ودانائی اور خاموشی سے اپنی عوام کی اسلامی اصولوں پر ذہن سازی اور جماعت سازی کرکے خدمت خلق اور قومی ترقی کے ذریعہ اپنے ملک کو اس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ دلادیا۔

مصطفیٰ کمال پاشا جن کو کمال اتاترک کہا جاتا ہے، اس نے ترکی کے مکمل نظام کو سیکولر بنایا، اس نظام کی حفاظت اور نگرانی کی ذمہ داری فوج کو دی گئی، عدالت کو اس کا معاون بنایا گیا، اس لیے اسلام کے نام پر کوئی بھی جماعت بنائی جاتی تو فوراً اس پر پابندی لگ جاتی، جیسا کہ ''سعادت''، ''فضیلت'' جیسے نام کی پارٹیوں پر پابندیاں لگائی گئیں۔

اس لیے جناب رجب طیب اردوان نے اپنی جماعت کا نام جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی (ترقی وانصاف پارٹی) رکھا، تاکہ نام سے خائف ہوکر سیکولر لابیاں کہیں اس جماعت پر بھی پابندی نہ لگادیں۔

انہوں نے اپنی پارٹی کی بنیادی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''ہم جمہوری نظام کو تحفظ دیں گے، فوج کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے، ترکی کی بقاء، خوش حالی اور تہذیبی ترقی کے بارہ میں اتاترک کے اصولوں سے انحراف نہیں کریں گے، چونکہ ملک کے شہریوں کی واضح اکثریت ۹۹ فیصد مسلمانوں کی ہے، اس لیے جمہوری اصولوں کے مطابق اپنی پالیسیوں میں اکثریت کی مذہبی آزادی کا خیال رکھیں گے۔'' (ترک ناداں سے ترک دانا تک، ص: ۱۸۸)

اور اپنی تقریروں میں ترکی کے شاعر ضیاءغوک اللب کے اشعار پڑھتے، جن کا مفہوم یہ ہے:

مساجد ہماری بیرکیں ہیں اور گنبد ہمارے ہیلمٹ ہیں
مینار ہمارے حراب (نیزے) ہیں اور نمازی ہمارے لشکر ہیں

اور یہ وہ مقدس فوج ہے جو اپنے دین کی حفاظت کرتی ہے

چونکہ اشاروں اور کنایوں سے انہوں نے ان اشعار کے ذریعہ قوم کو اپنی پالیسیوں اور مستقبل کے عزائم کی اطلاع دے دی تو قوم ان کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ سیکولر لابی اور فوج نے ایک بار انہیں ان اشعار کے پڑھنے کی پاداش میں سزا سنا کر جیل بھیج دیا۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کو سزا سنائی گئی تو وہ جمعہ کا دن تھا، انہوں نے جامع مسجد سلطان فاتح میں نماز جمعہ ادا کی اور جیل میں داخل ہونے سے پہلے اپنے لوگوں سے یوں خطاب کیا:

''اے میرے پیارو! میں تمہیں الوداع کہتا ہوں، صرف استنبول کے لیے نہیں اپنے ملک ترکی بلکہ عالم اسلام کو روشن صبح کا پیغام دیتا ہوں اور اس پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم آزمائش کی اس گھڑی میں مخلوق سے احتجاج کرنے اور اس سے مدد مانگنے کی بجائے اپنے رب کے حضور گریہ وزاری کرو، اپنے جذبات کا بے ہنگم استعمال کرنے کی بجائے ان کا آئندہ انتخاب میں بھرپور فیصلہ کن اظہار کرو۔'' (ایضاً،ص:۱۸۹)

اس کا نتیجہ تھا کہ آئندہ انتخابات میں پوری قوم نے ان کی جماعت کا بھرپور ساتھ دیا اور واضح اکثریت میں ان کی جماعت اقتدار میں آ گئی۔

اتنی تفصیلات ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ترکی قوم نے جو ان کا ساتھ دیا ہے وہ اس لیے دیا ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ امور مملکت میں اسلامی تعلیمات و ہدایات پر عمل زوال کا باعث نہیں بلکہ عروج و وقار کا ذریعہ ہے اور یہ کہ ہماری قومی و ملکی عزت اور ہمارے بین الاقوامی اعزاز و اکرام کا انحصار' اسلامی تشخص کے اظہار اور اپنے دین سے کامل وابستگی اور اس پر عمل کی پختگی پر ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ترکی میں حکومت اور عوام دونوں جناب رجب طیب اردوان کی بیدار مغز قیادت میں مشترکہ جدوجہد کی صورت میں خلافت اسلامیہ کے احیاء کے خواب کی عملی تعبیر کی طرف تیزی سے گامزن ہیں۔

اسرائیل جو ایک عرصہ سے فلسطینیوں کا قتل عام اور ان کا خون بہا رہا ہے، دنیا کے کسی ملک کا سربراہ اس کو فلسطینیوں کا قاتل کہنے کی اپنے اندر جرأت و ہمت نہیں رکھتا، لیکن جناب رجب طیب اردوان وہ واحد اسلامی ملک کا سربراہ ہے جس نے ان کے منہ پر ان کو فلسطینی بچوں کا قاتل کہا۔ اسرائیل نے جب ترکی کے ایک جہاز کو جو فلسطین کے لیے دوائیاں لے کر جا رہا تھا، سمندر میں غرق کر دیا تو جناب رجب طیب اردوان نے نہ صرف یہ کہ اس پر احتجاج کیا، بلکہ بین الاقوامی عدالت میں ان پر مقدمہ قائم کر کے اس کا ہرجانہ بھی ان سے وصول کیا۔ آج فلسطین کے لیے جو امداد جارہی ہے وہ صرف ترکی عوام اور جناب طیب اردوان کی کوششوں کی وجہ سے جارہی ہے۔

اس کے علاوہ پوری دنیا میں آج امریکہ کے غلط کو غلط کہنے والا کوئی ملک اپنے اندر حوصلہ نہیں رکھتا، یہ صرف جناب طیب اردوان ہی ہیں جو امریکہ کے غلط کو غلط کہہ رہا ہے اور برملا کہہ رہا ہے کہ اس بغاوت کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہے۔ فتح اللہ گولن اور اس کا نیٹ ورک اس کا خفیہ کردار ہے، اس لیے جناب طیب اردوان نے امریکہ سے فتح اللہ گولن کی حوالگی کا مطالبہ کیا ہے اور اس پر امریکہ ان سے ثبوت مانگ رہا ہے۔

دنیا کا عجوبہ اور نیرنگی بھی دیکھیے کہ کل تک امریکہ نائن الیون کے خودساختہ واقعہ میں اسامہ بن لادن کو ملوث قرار دے کر امیر المؤمنین ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی حوالگی کا مطالبہ کر رہا تھا، تو امیر المؤمنین ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات فرمائی تھی کہ اگر اسامہ بن لادن اس واقعہ میں ملوث ہے تو اس کے ثبوت پیش کیے جائیں، ورنہ اسامہ بن لادن ہمارا مہمان ہے اور ہماری روایات کے خلاف ہے کہ بغیر ثبوت اور دلائل کے ہم اپنے ایک مہمان کو اس کے دشمن کے حوالہ کر دیں۔ تو اس پر امیر المؤمنین ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کی بات نہ سنی گئی، بلکہ ان کی اس ''ناروا جرأت'' اور ''گستاخی'' کی سزا افغانستان کی امارتِ اسلامی کو ختم کر کے دی گئی اور آج ترکی کی اس حالیہ بغاوت کے کرداروں کی حوالگی کا مطالبہ جناب طیب اردوان کر رہے ہیں تو ان سے ثبوت مانگے جا رہے ہیں۔ ترکی کے وزیراعظم نے کہا ہے کہ ثبوت تو ہم پیش کر دیں گے، لیکن اپنے لیے آج یہ اصول کیوں بدل دیا گیا؟ امریکہ میں پرتعیش اور وسیع وعریض محل میں رہنے والے فتح اللہ گولن کو آج ہمارے حوالہ کیوں نہیں کیا جا رہا؟

....

فتح اللہ گولن کون ہیں؟ ان کی تحریک کیا ہے؟ کس کے لیے یہ کام کرتے ہیں؟ اب یہ کہاں ہیں؟

خواجہ محمد فتح اللہ ۲۷/اپریل ۱۹۴۱ء میں ترکی کے مشرقی صوبے ارضِ روم کے ایک گاؤں کوروکک میں پیدا ہوئے۔ مذہبی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرکاری طور پر وہ امام وخطیب رہے۔ ۱۹۸۱ء میں وہ اس عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے، چونکہ وہ مقبول خطیب اور لکھنے لکھانے والے آدمی تھے، ۵۰/سے اوپر ان کے نام سے کتابیں منظر عام پر آئیں، مغربی طاقتوں نے فوراً اسے قبول کیا اور ان کے لیے امداد شروع کر دی۔ ۲۸/فروری ۱۹۹۹ء سے وہ علاج کے بہانے امریکہ میں مقیم ہے اور پوری دنیا میں انہوں نے اسکول وکالجز کا ایک نیٹ ورک قائم کیا ہے، جس کے بارہ میں ان کا کہنا ہے کہ: ''ہم دنیا میں امن اور صلح ایسے لوگوں کی پرورش کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں جو تعلیم یافتہ، اچھی ناقدانہ سوچ رکھنے والے، انسانوں سے محبت کرنے والے اور اپنی صلاحیتوں کو لوگوں کی خدمت میں پیش کرنے والے ہوں۔''

لیکن درحقیقت امریکہ، اسرائیل اور فتح اللہ گولن کے گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں ان اسکولوں اور کالجز میں تعلیم اور ذہن سازی کے ذریعہ ایسے لوگوں کو تیار کیا جاتا ہے جو امریکہ اور اسرائیل کے مفادات کے لیے کام کر سکیں۔ ان کو اعلیٰ تعلیم دلائی جاتی ہے، پھر ان کو اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا جاتا

ہے اور پھر اپنے مفادات کے لیے ان سے فیصلے کرائے جاتے ہیں۔اس کی شہادت انقرہ سے روزنامہ جنگ کے مکتوب نگار فرمان حمید کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے:

''امریکہ نے ترکی میں اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے فتح اللہ گولن خواجہ کی تحریک کی ہر لحاظ سے حمایت اور امداد کو جاری رکھا اور متحدہ امریکہ کی پشت پناہی کی وجہ سے اس تحریک نے چند سالوں میں دنیا بھر میں اسکول قائم کرتے ہوئے اپنی اہمیت کو منوالیا.......۔اس وقت عالم مغرب امریکہ اور ان کے حواریوں کو ایک مضبوط نہیں، بلکہ ایک کمزور پارٹی کی ضرورت ہے، تاکہ اردوان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ان کے تمام منصوبوں کو روکا جاسکے، جن پر انہوں نے عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے، مغربی ممالک اس مقصد کے لیے فتح اللہ گولن کو استعمال کر رہے ہیں۔'' (روزنامہ جنگ، کراچی، ۵رفروری ۲۰۱۴ء)

ترکی میں اس نیٹ ورک کے پروردوں کو فوج، تعلیم، انتظامیہ اور عدلیہ کے محکموں میں خاص طور پر گھسایا جاتا ہے۔ترکی کی حالیہ بغاوت میں انہیں اداروں کے افراد نے زیادہ حصہ لیا ہے۔

شنید ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں بھی ۳۰ سے زیادہ اسکول و کالجز اس نیٹ ورک کے ساتھ ''پاک ترک اسکول اینڈ کالجز'' کے نام سے کام کررہے ہیں۔ روزنامہ امت کی خبر ملاحظہ ہو:

''ترکی میں ناکام فوجی بغاوت کے پس پردہ کردار ادا کرنے والے فتح اللہ گولن کے قائم کردہ تعلیمی اداروں کی زنجیر پاک ترک اسکول پاکستان میں بھی مغربی نظریات کی ترویج میں مصروف ہے۔ترکی سے تعلق کے باعث اسلام اور صوفی ازم کا تأثر دے کر پاکستانیوں سے کروڑوں کے عطیات بھی بٹورے جاتے رہے ہیں، ان تعلیمی اداروں میں طلبہ سے فیسیں بھی بڑے اسکولوں کے برابر وصول کی جاتی ہیں۔اسلام آباد کا ہارمنی نامی پبلشنگ ہاؤس فتح اللہ گولن کی کتب شائع کرتا ہے۔ پاکستان میں گولن کی فکر کا احاطہ کرنے والی ۳۵ کتب انگریزی میں موجود ہیں، ان اسکولوں کے اساتذہ کو فتح اللہ گولن کی کتب پڑھانے کا خصوصی نظام موجود ہے۔ پاکستانی حکومت ان تعلیمی اداروں کے حوالے سے ترک حکومت کے احساسات کے مطابق کارروائی کرنا چاہتی ہے۔ پاک ترک اسکول سسٹم کے بارے میں یہ عمومی تأثر پھیلایا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ زیرتعلیم افراد میں مذہبی وصوفی ازم پر مبنی رجحانات کی تشکیل کی جاتی ہے۔اسکول سسٹم سے آگاہ ماہرین کا کہنا ہے کہ پاک ترک اسکولز کا نصاب بھی عام مغربی تعلیمی اداروں جیسا ہے اور تعلیمی کلچر بھی انہی کی طرح ہے، حتیٰ کہ فیسیں بھی مغربی تعلیمی اداروں جیسی ہیں، فرق یہ ہے کہ پاک ترک اسکول سسٹم کی انتظامیہ کو ترکی سے نسبت کی بنیاد پر بہت سے مخیّر پاکستانی عطیات دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسکول سسٹم کروڑوں مالیت کی عمارات کھڑی کرنے میں کامیاب ہوا۔ ذرائع کے مطابق پاک ترک اسکول بھی عموماً آکسفورڈ کا نصاب پڑھاتے ہیں اور وہ کیمبرج کے امتحانی نظام سے بھی

وابستہ ہیں۔ مذہب یا صوفی ازم تو درکنار یہ ترک شناخت یا کلچر کے حوالے سے بھی کچھ نہیں کررہے، تاہم پاک ترک اسکولوں میں ترکی زبان کی لازمی تعلیم کی وجہ سے ترکی میں بچوں کے لیے روزگار کے امکانات ہیں۔ فتح اللہ گولن کی این جی او کے ناکام ترک بغاوت میں ملوث ہونے کے انکشافات کے بعد ان اسکولوں کے طلبہ کے لیے یہ امکان بھی ختم ہوگیا۔ ''امت'' کے رابطے پر دفترِ خارجہ کے ترجمان نفیس زکریا کا کہنا تھا کہ ترکی کی طرف سے پاک ترک اسکول سسٹم کے بارے میں تشویش کے اظہار کے بعد دونوں برادر ملک باہم رابطے میں ہیں۔ پاکستان انقرہ کی حکومت سے مکمل تعاون کرے گا، تاکہ اس کی تشویش دور ہوسکے۔ اس ضمن میں مختلف آپشنز زیرِغور ہیں۔ دوسری جانب پاک ترک اسکول سسٹم کے تحت پاکستان میں ۲ درجن سے زائد اسکول کام کررہے ہیں۔'' (روزنامہ امت، کراچی، ۲۶؍جولائی ۲۰۱۶ء)

بہرحال ترکی ہمارا باوفا دوست اور اسلامی برادر ملک ہے، ترکی کے صدر، وزیراعظم اور ان کی حکومت مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور ان کے سامنے ڈٹ کر ان کی غلط کو غلط کہہ کر صرف ترکی کے لیے نہیں بلکہ عالمِ اسلام کی سربلندی اور تمام برادر اسلامی ممالک کی طرف سے فرض کفایہ ادا کررہی ہے۔ ترکی میں اسلامی بیداری کی لہر جو اٹھی ہے، اس پر ان کا تعاون کرنا، اخلاقی طور پر ان کی مدد کرنا اور ان کے جائز اور صحیح مطالبات کو پورا کرنا ہمارا اخلاقی و اسلامی فریضہ بنتا ہے، جو تحریک آج ترکی کے مسلم حکمرانوں کے لیے مشکلات کھڑی کررہی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کل کلاں کو ہمارے لیے بھی مشکلات پیدا کرے، اس لیے پہلے سے ہی اس سوراخ کو بند کرنا اور اپنی حفاظت کو یقینی بنانا بہت ہی اہم اور ضروری ہے۔

اس کے علاوہ تمام اسلامی ممالک کے سربراہان کو چاہیے کہ وہ انتہائی تیقظ و بیداری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔ دشمن کی مکاریوں اور پرفریب چالوں کا باریک بینی سے جائزہ لے کر ہر میدان میں ان کا توڑ کریں۔ ان شاء اللہ! اس سے جہاں عوام مجتمع ہوگی وہاں ہمارے اسلامی ممالک میں بھی استحکام آئے گا۔ اسی لیے اب ہمارے ملک پاکستان میں بھی ہمارے حکمران خلوصِ نیت سے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جد و جہد و کوشش کریں اور اپنی عوام سے کیے گئے وعدوں کا ایفاء کریں۔ ان شاء اللہ! اس سے جہاں عوام میں یکسوئی پیدا ہوگی، وہاں ملک بھی مستحکم ہوگا۔ إِنْ أُرِيْدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَااسْتَطَعْتُ وَمَاتَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

کامیابی وکامرانی کا راستہ

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

یہاں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مشہور ارشاد جسے محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ''**الریاض النضرۃ**'' میں نقل کیا ہے، یاد آتا ہے:

''**لن یصلح آخر ھذہ الأمۃ إلا ما صلح بہ أولھا**''۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، الباب الثانی فی مناقب امیر المومنین ابی حفص عمرؓ بن الخطاب، ج:۲، ص:۴۰۲، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت)

''اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی بس اسی چیز سے ہوسکتی ہے جس سے اس کے پہلے حصہ کی اصلاح ہوئی۔''

ربع صدی سے یہاں سب کچھ آزمایا جاچکا ہے، آئیے! اس جدید نظریہ کو بھی آزمالیجئے:

فلک را سقف بشگافیم و طرح نو دراندازیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی

قرآن حکیم نے چار مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:

۱:......آیات پڑھ کر سنانا۔

۲:......تزکیہ کرنا، یعنی کفروشرک، بدعملی وبداخلاقی اور امورِ جاہلیت سے ان کو پاک وصاف کرنا۔

۳:......کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم دینا اور اس کے مضامین کی تشریح کرنا۔

۴:......حکمت ودانائی، احکام کے علل وغایات اور شریعت کے اصول ومقاصد کی تعلیم دینا۔

تزکیہ سے مراد عقائد ونظریات اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی ہے، قرآن کریم نے تین مقامات پر تزکیہ کا ''تعلیم'' سے مقدم ذکر فرمایا، جس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقدرِ ضرورت تزکیہ تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے، تعلیم اسی وقت مفید اور بارآور ہوسکتی ہے جبکہ قلوب میں اس کے قبول

کرنے کی اہلیت اور جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہو، زمین کو پہلے کاشت کے قابل بنایا جائے، پھر تخم ریزی کی جائے، ورنہ وہی کیفیت ہوگی جو عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ تزکیہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے فیضانِ صحبت اور مکارم اخلاق سے حاصل ہوتا تھا اور اب بھی بقدرِ استعداد اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ربط وتعلق اور ان کی صحبت اور مجالست سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تعلیم کتاب وحکمت سے بھی اصل مقصود تزکیہ ہے، یہ نہ ہو تو ساری تعلیم بیکار ہے، اعمال واخلاق کے بغیر نرے علوم ومعارف کی حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر نہیں، آدمی ساری دنیا کی کتابیں چاٹ لے، لیکن اگر انسانی اخلاق اور ایمانی اعمال نہیں تو پڑھا لکھا جانور تو ہوسکتا ہے مگر انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

تزکیہ کے بغیر نہ ایمان میں رسوخ کی کیفیت اور یقین واطمینان کی قوت پیدا ہوگی نہ اخلاق درست ہوسکیں گے، نہ اخلاص کی دولت ملے گی، نہ اعمال پر مداومت نصیب ہوگی، نہ اندر کا فرعون (مکار نفس) ہلاک ہوگا، نہ مخلوق سے لڑائی بند ہوگی۔

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ’’**تعلمنا الإيمان ثم تعلمنا القرآن** ‘‘(سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فی الایمان، ص: ۷، ط: قدیمی) کہ: ’’ہم نے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا۔‘‘ یہ ایمان کا سیکھنا ہی تزکیہ کہلاتا ہے کہ قلب غیر اللہ کے بتوں سے پاک ہو، اعمال ریا وغیرہ سے پاک ہوں اور نفس کمینے اخلاق سے پاک ہو، معاشرہ امور جاہلیت سے پاک ہو، کمائی حرام اور مکروہ ذرائع سے پاک ہو، وغیر ذلک۔

یہی تزکیہ تھا جس کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی بشارتوں سے نوازا اور انہیں آسمانی وحی کی شہادت اور سند ملی۔ سورۂ فتح میں ان کے امتیازی اوصاف ذکر کرتے ہوئے ایک وصف باہمی رحمت وشفقت ذکر کیا گیا ہے: ’’**رحماء بينهم** ‘‘ یہ وصف کامل تزکیہ کے بعد ہی حاصل ہوسکتا ہے اور اسی کو نہ سمجھنے کی خرابی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پہلا وصف یہی بیان فرمایا: ’’**أبرُّهم قلبًا** ‘‘ کہ ان کے دل بہت پاک صاف تھے، دوسرا وصف بیان فرمایا: ’’**وأعمقهم علمًا** ‘‘ ان کا علم بڑا گہرا تھا، تیسرا وصف بیان فرمایا: ’’**وأقلهم تكلفًا** ‘‘ ان کی زندگی تکلفات اور تصنع سے پاک تھی۔ (مشکوۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، ج: ۱، ص: ۳۲، ط: قدیمی)

حضراتِ صوفیاء اور اشاعتِ دین

حضرات صوفیاء کرام (رحمہم اللہ) جن کے ذریعہ دین کی تبلیغ واشاعت سلاطین کی تلوار اور علماء کے قلم سے بھی زیادہ ہوئی ہے، ان کا خاص موضوع یہی ہے کہ نفوس کی تربیت اور اخلاق کا تزکیہ کیا جائے، ان کے یہاں بھی تربیت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے جذب ہو پھر سلوک، اسی کا نام مجذوب سالک رکھتے ہیں۔ بظاہر یہ طریقہ اقرب الی القرآن ہوگا، البتہ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ جہاں آنحضرت ﷺ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے، آنحضرت ﷺ کے ان چار مناصب میں سے تزکیہ کو کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد سب سے آخر میں رکھا ہے، اس سے ایک تو اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا اول وآخری مقصد تزکیہ ہے، دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ تزکیہ بقدر ضرورت تو تعلیم سے پہلے ہونا چاہیے، مگر کامل تزکیہ کی نوبت علم کے بعد ہی آسکتی ہے، یعنی علم کے بعد عمل ہوگا اور علم ہی ذریعہ بنے گا عمل کا، گویا اس آیت میں تربیت کا دوسرا طریقہ بیان فرمایا ہے جو حضرات صوفیاء کے یہاں سالک مجذوب کہلاتا ہے، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں، کسی کو تعلیم کے بعد بھی تزکیہ کی ضرورت رہتی ہے اور کسی کو تزکیہ کے بعد تعلیم کی حاجت ہوتی ہے۔ نہ تزکیہ کے مراتب ختم ہوتے ہیں، نہ تعلیم کی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا منصب صرف تعلیم اور سمجھانا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کی تعمیل کرانا اور قوم کو ایک باعمل امت بنانا بھی تھا، جب تک آنحضرت ﷺ کے دیئے ہوئے نقشہ کے مطابق تعلیم وتربیت پر محنت نہیں ہوتی اور افراد کی اصلاح کے ذریعہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں نہیں آتا سیاسی محنت صحیح طریق پر بارآور نہیں ہوگی اور تمام قوتیں شر وفساد کی نذر ہو جائیں گی۔

اسلامی سیاست اور موجودہ سیاست

دینی تربیت کے فقدان ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ باوجود یکہ تمام زعماء اور سیاسی لیڈر اسلامی خدمت کا اعلان فرمارہے ہیں اور ملک وملت کی صحیح نمائندگی کا دم بھرتے ہیں، یقیناً ان میں سے بعض حضرات مخلص بھی ہوں گے اور وہ اسلام کے نام کو محض اقتدار طلبی کے لیے استعمال نہیں کرتے ہوں گے، لیکن ان اسلامی نمائندوں کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ جس اسلام کا ہم نام لیتے ہیں، اسی اسلام نے سیاست کے بھی کچھ آداب تجویز کیے ہیں اور بے ہنگم سیاست بازی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، مثلاً موجودہ سیاست کی بنیاد ہی اس بات پر قائم ہے کہ ایک شخص اقتدار طلبی کے لیے کھڑا ہو، اپنی پارٹی بنائے، اپنا پروگرام قوم کے سامنے رکھے اور قوم سے اپیل کرے کہ اس کو ووٹ دے کر کرسیِ اقتدار پر فائز کیا جائے، اس کے بعد وہ جانے اور قوم کے مسائل۔

اب دیکھیے کہ اسلام اقتدار طلبی کے مزاج ہی کی جڑ کاٹ دیتا ہے، اسلام اقتدار کی خواہش کو

پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ ذمہ داری معاشرہ پر ڈالتا ہے کہ وہ ایسے افراد کو آگے لائے جو:

’’لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا۔‘‘ (القصص:۸۳)

’’جو نہیں چاہتے زمین میں اونچا ہونا اور نہ فساد۔‘‘

کے معیار پر پورے اتریں۔ آنحضرت ﷺ کسی ایسے شخص کو جو عہدہ کی درخواست لے کر آئے عہدہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور منتیں کر کر کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو عہدے دیئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو عہدۂ قضاء کی پیش کش کی، انہوں نے انکار کیا، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے باپ نے بھی تو قبول کیا تھا، عرض کیا: ان میں ہمت ہو گی مجھ میں نہیں، امیر المؤمنین نے منت وسماجت کی مگر ان کی معذرت غالب آ گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہت اچھا مگر کسی اور کو نہ بتانا، ورنہ کوئی بھی اس کے لیے آمادہ نہ ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جامع مسجد دہلی میں وعظ تھا جس میں ایک انگریز بہادر بھی موجود تھا، تقریر کے بعد اس نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت کیوں جاتی رہی؟ کسی نے کچھ جواب دیا، کسی نے کچھ، اس نے کہا: میں بتاتا ہوں کہ اصلی وجہ یہ تھی کہ اس منصب کے اہل لوگوں نے اس سے گریز کیا اور نااہل لوگ اوپر آ گئے اور یہی نااہلی زوالِ سلطنت کا باعث بنی۔

مسلمانوں کی نمائندگی

ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ قحط الرجال میں جس میں انسانوں کی تو افراط ہے، مگر آدمی بہت کم ہیں، نہ اسلام کا معیاری معاشرہ ہے نہ معیاری نمائندے مل سکتے ہیں، لیکن کم ازکم اتنا تو ہو کہ جو لوگ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ لے کر اٹھیں، ان میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی، دینی شعائر کا احترام، اسلام کے ضابطہ حیات پر کامل اذعان اور اسلامی اخلاق واعمال پائے جائیں، وہ قول کے سچے اور بات کے پکے ہوں، انہیں غریب مسلمانوں کے مسائل کی سمجھ بوجھ اور دینی احکام کا شعور ہو، ملت کے تمام افراد کے یکساں ہمدرد ہوں، وہ اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں۔

قومی خزانے کو نقصان پہنچانا قومی جرم ہے

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

قومی ملکیت اور اس کے ابتدائی ذرائع آمدن

قومی ملکیت، قومی خزانہ، سرکاری خزانہ اور سرکاری املاک، ایسے الفاظ ہیں جو زبان زد خاص وعام ہیں، عوام وخواص ان الفاظ کے معانی سے زیادہ ان کے مفہوم، مصداق اور مدلول کو جانتے ہیں۔

اسلامی تاریخ کی رو سے اسلامی سلطنت اور قومی ملکیت کا تصور ہم عمر ہیں، حضور اکرم ﷺ نے جب اسلامی احکام کی بالادستی پر مشتمل اجتماعی نظم وضبط کا عملی نمونہ پیش فرمایا تو اس وقت اجتماعی نظم کے قیام کے لیے وسائل واسباب کی ضرورت درپیش ہوئی، اس کے لیے مختلف ذرائع زیر عمل آتے رہے، اس حوالے سے سب سے بڑا ذریعہ آمدن پہلی مرتبہ جو متعارف ہوا، وہ سن ۲ ر ہجری میں بدر کے معرکہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے غنائم تھے، اس سے قبل مسلمانوں کو اتنا بڑا مالی ذخیرہ ہاتھ نہیں لگا تھا، اب اس مال کی بحفاظت منتقلی، مناسب تقسیم اور دیگر احکام کی تفصیلات اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی زبانی بیان فرمائی:

''وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ إِنْ كُنْتُمْ أٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔'' (التوبۃ:۴۱)

یہ سلسلہ بعد میں بھی قائم رہا اور مختلف ذرائع سے غنائم حاصل ہوتے رہے، پھر اسلامی حکومت کی مصالحانہ پیش قدمی اور وسعت کے نتیجہ میں خراج، عشر اور زکوۃ وغیرہ بھی مسلمانوں کے اجتماعی مال کے طور پر یکجا ہونا شروع ہوگئے تو آپ ﷺ نے اس اجتماعی مال کی وصولی سے لے کر مقررہ مصارف میں استعمال کرنے تک کے احکام پوری تفصیل وتاکید کے ساتھ بیان فرمائے، یہ سلسلہ جب خوب مستحکم ومستقل ہوا تو اُسے ''بیت المال'' کے نام سے مستقل شعبے کا درجہ دیا گیا، چنانچہ قرن اول سے ہی اجتماعی املاک کے جمع وحفاظت کے شعبہ کو ''بیت المال'' یا ''اموال الناس'' کہا جاتا ہے۔

قومی ملکیت، بیت المال کی شرعی حیثیت

بیت المال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے ارشادات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کا خزانہ اور قومی وسرکاری خزانہ تمام رعایا کی ملکیت شمار ہوتا ہے، یہ کسی بھی فرد کی ذاتی ملکیت شمار نہیں ہوتا، اسی لیے کسی بھی فرد کے لیے خواہ وہ رعایا کا ادنیٰ فرد ہو یا حاکم وقت، جائز نہیں کہ وہ سرکاری خزانے میں آزادانہ اور مالکانہ تصرفات کا مجاز ہو، حتیٰ کہ خود حضور ﷺ کے لیے بحکم خداوندی غنائم کا پانچواں حصہ مقرر تھا، آپ علیہ السلام اس کے بارے میں بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بھی تمہارے اوپر خرچ کرنے کے لیے ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے محدود اختیار کی طرف اشارہ بھی فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

’’قام فينا رسول اللّٰه ﷺ ذات يوم فذكر الغلول فعظمهٗ وعظم أمرهٗ، ثم قال: لا ألفين أحدكم يجيئ يوم القيامة علٰى رقبته بعير لهٗ رغاء يقول: يارسول اللّٰه! أغثني فأقول: لا أملک لک شيئًا، قد أبلغتک۔‘‘ (صحیح بخاری، ج:۲،ص:۳۴۹، ط: قدیمی)

حضور ﷺ نے سرکاری وقومی خزانے سے متعلق اپنے ذاتی صوابدیدی اختیارات کی نفی فرمائی تھی اور حکم شرعی کی پابندی و پاسداری کا سبق یوں دیا:

’’عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ ما أعطيكم ولا أمنعكم، أنا قاسم أضع حيث أمرت۔‘‘ (مشکوٰۃ: ۳۲۵)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’میں نہ تو تمہیں عطا کرتا ہوں اور نہ تمہیں محروم رکھتا ہوں، میں تو صرف بانٹنے والا ہوں کہ جس جگہ مجھے رکھنے کا حکم دیا گیا میں وہاں رکھ دیتا ہوں۔‘‘ (مظاہر حق)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’وليس لولاة الأموال أن يقسموه بحسب أهوائهم كما يقسم المالک ملكهٗ، فإنما هم أمناء ونواب ووكلاء ليسوا ملاكا، كما قال رسول اللّٰه ﷺ: إنما أنا قاسم۔‘‘ (السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، ص:۴۴، ط: دارعالم الفوائد)

’’مسلمانوں کے اموال کی حفاظت اور مصارف میں خرچ کی ذمہ داری پر مامور افراد کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی ملکیت کی مانند جیسے چاہیں تصرف کریں، وہ ان اموال کے محافظ، مسلمانوں کی جانب سے وکیل اور نگہبان ہیں، مالک نہیں، نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے آپ کو قاسم (تقسیم کرنے والا) فرمایا تھا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ حاکم وقت، قومی خزانے اور اجتماعی ملکیت کا محض محافظ، نگران اور دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا ہے، وہ سرکاری خزانے میں مالکانہ اختیارات وتصرفات کا ہرگز مجاز نہیں ہوتا۔ اگر امین

امانت میں خیانت کرے تو وہ مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں رہتا، پھر سرکاری خزانے میں خیانت کا مرتکب حاکم تو حق حکمرانی کا جواز بھی کھو بیٹھتا ہے، حاکم ہو یا کوئی عام فرد جب سرکاری خزانے اور ملکیت میں ناجائز تصرف اور خورد برد کا ارتکاب کرے تو اس کا یہ عمل شرعی اصطلاح میں ''غلول'' اور یہ شخص ''غالّ'' کہلاتا ہے، غلول اور غال کے بارے میں شریعت کیا بتاتی ہے؟ اس بارے میں کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

غلول (خیانت وغبن) کا حکم قرآن کریم کی روشنی میں

غلول کی سنگینی کا بیان خود قرآن کریم میں موجود ہے:

''وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔'' (آل عمران:۱۶۱)

''اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے، حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

مذکورہ آیت' آپ ﷺ سے متعلق بعض حضرات کی ایسی بدگمانی کے ازالے کے لیے اتری تھی، جس میں یہ تأثر مل رہا تھا کہ غنیمت یا بیت المال میں سے گم شدہ ایک چیز حضور ﷺ نے شاید اپنی صوابدید پر اپنے پاس رکھ لی ہو، اللہ تعالیٰ نے ایسے غلول کی نسبت بھی اپنے حبیب ﷺ کی طرف گوارا نہیں فرمائی، جب حضور ﷺ کے لیے غنیمت میں سے کوئی چیز اپنے لیے مختص کرنا نامناسب ہے تو کسی اور کو اختیار یا استثنا کیونکر ہوسکتا ہے؟!

امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''**وقد عظم النبی ﷺ أمر الغلول حتی أجراہ مجری الکبائر، وروی قتادۃ عن سالم بن أبی الجعد ... من فارق روحُہٗ جسدَہٗ وھو بریٔ من ثلاث دخل الجنۃ: الکبر والغلول والدین۔**'' (أحکام القرآن، ج:۲،ص:۶۳، ط:قدیمی)

یعنی حضور ﷺ نے غلول کے معاملہ کو انتہائی سنگین قرار دیا ہے اور جنت میں داخلے کے لیے تکبر، قرض اور غلول سے براءت کو شرط قرار دیا ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے کہ ''غالّ'' (غلول کرنے والا) قیامت کے دن غلول کردہ چیز کو اپنی گردن پر اٹھاکر اپنی خیانت کا اظہار کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو کوستے ہوئے سب لوگوں کے سامنے اٹھائے ہوئے لائے گا۔

نیز آپ نے اس آیت سے ثابت شدہ احکام میں ذکر فرمایا ہے:

''**قال العلماء: والغلول کبیرۃ من الکبائر بدلیل ھذہٖ الأیۃ، فإذا غلّ الرجل فی المغنم ووجد أخذ منہ وأدب وعوقب بالتعزیر، أجمع العلماء علی أن للغال أن یرد جمیع ما غلّ إلٰی صاحب المقاسم قبل أن یفترق الناس إن وجد السبیل إلٰی ذٰلک، وأنہٗ إن فعل ذٰلک فھی توبۃ لہٗ واختلفوا فیما یفعل بہٖ إذا افترق أھل**

العسكر ولم يصل إليه، فقال جماعة من أهل العلم: يدفع إلى الإمام خمسه، ويتصدق بالباقي. هٰذا مذهب الزهري ومالک والأوزاعي والليث والثوري، روي عن عبادة بن الصامت ومعاوية والحسن البصري، وهو يشبه مذهب ابن مسعودؓ وابن عباسؓ۔'' (تفسیر قرطبی، ج:۴،ص:۱۶۷، ط:بیروت)

اس عبارت میں مندرجہ ذیل امور بیان ہوئے ہیں:

① - کہ غلول کبائر میں سے کبیرہ گناہ ہے۔

② - جو شخص غلول کا مرتکب قرار پائے اور وہ مالِ مغلول (چوری کردہ، غبن کردہ مال) اس کے پاس پایا بھی جائے تو اس سے واپس لینا لازم اور ایسے شخص کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی اور اس کو حاکم وقت مناسب سزا بھی دے گا۔

③ - علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اجتماعی ملک اور قومی خزانے میں غلول وغبن کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ قومی مال، قومی خزانے کو واپس کرے، ایسا کرنے پر اس کے لیے عنداللہ معافی وتوبہ کی گنجائش رہے گی۔ (مستفاد من المسئلۃ السابعۃ، قرطبی، ج:۴، ص:۱۶۵ تا ۱۶۷)

مذکورہ آیت کے تحت حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

''رُدّوا الخياط والمخيط؛ فإن الغلول عار ونار وشنار على أهلهٖ يوم القيامة۔'' (ج:۱،ص:۲۲۳)

''(مالِ غنیمت، اجتماعی ملکیت سے لیا ہوا) دھاگہ ہو یا سوئی واپس کرو، بلاشبہ غلول قیامت کے دن شرمندگی، آگ اور بدترین عیب ہے۔''

غلول کا حکم احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱:...... **''عن معاذؓ، قال: بعثني رسول اللّٰه ﷺ إلى اليمن، فلما سرت أرسل في أثري فرددت فقال: أتدري لم بعثت إليک؟ لاتصيبن شيئًا بغير إذني؛ فإنه غلول، ومن يغلل يأت بما غل يوم القيامة، لهٰذا دعوتک فامض في عملک۔''** (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ:۳۲۶)

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے (عامل) بنا کر یمن بھیجا، (جب میں روانہ ہوا) تو آپ ﷺ نے میرے پیچھے بھیجا، میں لوٹ کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو، میں نے تمہیں بلانے کے لیے کیوں بھیجا تھا؟ تم میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا، یہ خیانت ہے۔'' (مظاہر حق)

۲:...... **''عن بريدة رضي اللّٰه تعالٰى عنه عن النبي ﷺ قال: من استعملناه على عمل فرزقناه رزقًا، فما أخذ بعد ذلک فهو غلول۔''** (مشکوٰۃ:۳۲۶)

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مامور کیا اور اس کو رزق دیا (اس کام کی اجرت مقرر کردی)، اس کے بعد اگر وہ (اپنی تنخواہ سے زائد) کچھ وصول کرے گا تو یہ مالِ غنیمت میں خیانت ہے۔'' (مظاہر حق)

۳:.....’’من عمل منکم لنا علٰی عمل فکتمناہ منہ مخیطًا فمافوقہٗ فھو غالّ یأتی بہٖ یوم القیامۃ۔‘‘ (مشکوۃ:۲۳۶)

’’تم میں سے جو شخص کسی ذمہ داری پر مامور ہوا اور اس میں سے ایک سوئی یا اس سے بھی کم مقدار کی کوئی چیز چھپالے تو قیامت کے روز ’’غلول‘‘ کرنے والے کی صورت میں ہی پیش ہوگا۔‘‘

مذکورہ نصوص کی روشنی میں معلوم ہوا کہ:

① -شرعی و قانونی اجازت کے بغیر اجتماعی مال سے کوئی چیز ہتھیانا جرم ہے، جو کہ غلول وحرام ہے۔

② -سرکاری ملازمین، حق الخدمت کے علاوہ جو خرد برد کریں یا ناحق وصولی کریں، وہ بھی غلول ہے۔

③ - ناحق ایک سلائی، دھاگہ بھی ہتھیانے والا غال ہے، غلول کا مرتکب ہے۔

۴......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ’’کرکرہ‘‘ نامی ایک شخص کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ نے اس کے بارے میں دوزخی ہونے کا اظہار فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جا کر دیکھا تو اس شخص پر غلول کردہ (ناجائز طریقے سے لی ہوئی) ایک چادر یا جبہ پایا۔

(سنن ابن ماجہ، باب الغلول، ص:۲۰۴، قدیمی)

۵:.....حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ خیبر میں قبیلہ اشجع کے ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’صلّوا علٰی صاحبکم ‘‘۔(تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو)۔لوگوں کو یہ بات عجیب لگی اور ان کے چہروں پر حیرت چھا گئی، آپ ﷺ نے ان کی کیفیت بھانپتے ہوئے فرمایا:’’إن صاحبکم غلّ فی سبیل اللّٰہ ‘‘۔(تمہارے اس ساتھی نے راہِ خدا میں غلول کا ارتکاب کیا ہے) چنانچہ ان کے سامان کو کھنگالا گیا تو محض دو درہموں کی مالیت کے بقدر یہود کے لڑی میں پرونے والے نگینے ملے۔ (سنن ابن ماجہ، باب الغلولِ، ص:۲۰۴)

۶:...... حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے منقول ہے:

’’إن رجالا یتخوضون فی مال اللّٰہ بغیر حق فلھم النار یوم القیامۃ۔‘‘(مشکوۃ:۳۲۵)

’’بہت سے لوگ خدا کے مال (زکوٰۃ، غنیمت اور بیت المال) میں ناحق تصرف کرتے ہیں، ان کے لیے قیامت میں آگ ہے۔‘‘

شارحین نے اس روایت میں دو باتیں ثابت فرمائی ہیں:

الف: مجاز اتھارٹی کی اجازت کے بغیر بیت المال وغیرہ میں تصرف کرنا۔

ب: اپنی محنت اور حق الخدمت سے زیادہ ہتھیانا۔(مظاہر حق، ج:۳، ص:۶۷۲)

۷:.....غیر قانونی طریقے سے سرکاری خزانے میں خرد برد کرنا غلول ہے اور اس کی سزا جہنم ہے، حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے ہوئے اہتمام کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا:

''لا تصیبن شیأ بغیر إذنی فإنهٗ غلول؛ ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامة۔'' (مشکوۃ:۳۲۶)

''(تم اپنی مدتِ ملازمت کے دوران) میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا، کیونکہ یہ خیانت ہے اور جوشخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے جس میں اس نے خیانت کی ہے۔'' (مظاہر حق، ج:۳،ص:۶۷۳)

۸:.....''عن خولة بنت قیس قالت: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: إن هذه المال خضرة حلوة، فمن أصابهٗ بحق بورک لهٗ فیه، ورب متخوض فیما شاء ت به نفسه من مال اللّٰہ ورسوله، لیس لهٗ یوم القیامة إلا النار۔'' (رواہ الترمذی، بحوالہ مشکوۃ:۳۵۱)

''حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ مال سبز وشیریں چیز ہے، جس نے اسے جائز وحق طریقے سے حاصل کیا اس کے لیے بابرکت ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کے مال (بیت المال، غنائم) میں ناحق تصرف کیا، اس کے لیے جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں۔''

۹:.....حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری مال اور قومی ملکیت سے عارضی استعمال کے لیے حاصل کردہ چیزوں کو صحیح وسالم حالت میں واپس کرنا ضروری ہے، ناقابل استعمال یا ناکارہ کر کے واپس کرنا جرم ہے، نیز بلاضرورت سرکاری املاک کا استعمال بھی جرم ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''عن رویفع بن ثابتؓ أن النبی ﷺ قال: من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الأخر فلا یرکب دابة من فیئ المسلمین، حتٰی إذا أعجفها ردها فیه، ومن کان یؤمن باللّٰہ والیوم الأخر فلا یلبس ثوبًا من فیئ المسلمین حتٰی إذاأخلقهٗ ردهٗ فیه۔'' (مشکوۃ:۳۵۱)

''جوشخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے اس کے لیے قطعاً روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے (مشترک) مالِ غنیمت کے کسی جانور پر (بلاضرورتِ شرعی) سوار ہو اور پھر جب وہ جانور (سواری) دُبلا ہو جائے تو اس کو مالِ غنیمت میں واپس کر دے۔'' (مظاہر حق، ج:۳،ص:۸۱۴)

۱۰:.....حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمے بوقتِ وفات، بیت المال کے سات ہزار دراہم قرض تھے تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ ان کی جانب سے یہ قرض بیت المال کو ادا کیا جائے۔ (کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف رحمہ اللہ، باب الغزو والجیش، رقم الحدیث:۹۱۳، مطبعۃ الاستقامۃ)

۱۱:.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کبھی ضرورت پیش آتی تو بیت المال کے خزانچی کے پاس جا کر قرض لیتے، پھر بسا اوقات تنگی ہوتی اور خزانچی قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا تو آپ عذر فرماتے اور جونہی رقم ہاتھ آتی تو ادا فرما دیتے تھے۔ (طبقات ابن سعد، باب استخلاف عمرؓ، ج:۳،ص:۲۷۶، دار صادر بیروت)

۱۱:.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''إنی أنزلت نفسی من مال اللّٰہ بمنزلة مال الیتیم، إن استغنیت عففت، وإن

افتقرت أكلت بالمعروف، قال وكيع في حديثه: فإذا أيسرت قضيت ''۔ (ایضا)

''بیت المال کے ساتھ میں یتیم کے مال کا سا معاملہ رکھتا ہوں، ضرورت نہ ہو تو اپنے آپ کو بچائے رکھتا ہوں، اور مجبوری پیش آ ہی جائے تو حسب ضابطہ لے کر کام میں لاتا ہوں اور جونہی ہاتھ کھلا ہو تو ادا کر دیتا ہوں۔''

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ حکم معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ناجائز طریقے سے سرکاری مال، قومی خزانے اور اجتماعی ملکیت میں خرد برد کرے، ناحق تصرف کرے، اپنے حق سے زیادہ ہتھیانے کی کوشش کرے، یا قانونی طریقے سے کام لے کر نا کارہ بنادے اور اس کے استعمال وافادیت میں خلل پیدا کرے تو وہ غلول جیسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس کے لیے دنیا وآخرت دونوں میں عار، شنار اور نار ہے۔

سرکاری خزانہ ہتھیانے کے بعد واپس نہ کرنے والے کا حکم

اب اگر کوئی سرکاری خزانے سے قانونی طریقے پر جو چیز حاصل کرے اور واپس نہ کر سکے یا واپسی میں کوتاہی کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ حضور ﷺ کے ارشادات وفرامین میں اس کی تفصیل متعدد زاویوں سے ملتی ہے:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ وصولی کے بعد لوگ ادائیگی سے عاجز کیوں آتے ہیں؟ حضور ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں اس کی بنیادی وجہ ایک روحانی بیماری اور اخلاقی کمزوری ہے اور وہ ہے دل کا کھوٹ اور نیت کی خرابی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''**من أخذ أموالَ الناس يريد أداءَ ها أدى اللّٰه عنه، ومن أخذ يريد إتلافها أتلفهُ اللّٰهُ عليه۔**'' (مشکوٰۃ:۲۵۲)

''جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی کسی ضرورت واحتیاج کی بنا پر قرض لے اور قرض کو ادا کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو) تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ مال ادا کرا دیتا ہے اور جو شخص لوگوں کا مال لے اور ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع کر دیتا ہے۔'' (مظاہر حق، ج:۳،ص:۱۲۹،ط:دارالاشاعت)

یعنی جو لوگ واقعی ضرورت مند ہوں اور اس بنیاد پر ''**أموال الناس**'' (قرض وغیرہ) لیتے ہوں اور واپسی کا ارادہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو واپسی کی توفیق بھی دے دیتے ہیں اور ان کے لیے ''**أموال الناس**'' واپس کرنے کی سبیل بن جاتی ہے اور جن کے دل میں کھوٹ اور چور ہو اور وہ واپس کرنے کے بجائے ضائع کرنے کی نیت پر کاربند ہوں تو انہیں حاصل کردہ اموال کے واپس کرنے کی توفیق بھی نہیں ملتی اور اللہ تعالیٰ ان کا دیوالیہ بھی کر دیتے ہیں، اگر کسی کا دیوالیہ نہ ہوا ہو، بلکہ صاحب استطاعت، مالدار اور غنی ہو، اس کے باوجود قرض واپس کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو، اپنے ذمہ واجب الاداحق ادا نہ کرتا ہو تو ایسا شخص ظالم ومجرم ہے، ارشاد ربانی ہے:

’’وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔‘‘ (البقرۃ:۱۸۸)

اس کا ہرطرح سے پیچھا کیا جائے اورقرض وحق کی وصولیابی کے لیےاس کا ہرطرح تعاقب کیا جائے،آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

’’مطل الغنی ظلم، وإذا اتبع أحدکم علی ملیٔ فلیتبع۔‘‘ (مشکوٰۃ:۲۵۱)

’’صاحب استطاعت کا (ادائیگی قرض میں) تأخیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کوصاحب استطاعت کے حوالے کیا تو اس سے حوالہ کوقبول کر لینا چاہیے۔‘‘ (مظاہرحق)

تشریح میں فرماتے ہیں:

’’جوشخص کوئی چیز خریدے اوراس کی قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود قیمت ادا نہ کرے، یا کسی کا قرضدار ہو اور ادائیگیِ قرض پر قادر ہونے کے باوجود (قرض) ادا کرنے میں تاخیر کرے تو یہ ظلم ہے۔‘‘ (مظاہرحق، ج:۳،ص:۱۲۶)

اسی طرح حضرت شرید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل فرماتے ہیں:

’’لیّ الواجد یحلّ عرضہٗ وعقوبتہٗ۔‘‘ (مشکوٰۃ:۲۵۳)

’’استطاعت رکھنے والے شخص کا (ادائیگیِ قرض) میں تاخیر کرنا اس کی بےآبروئی اور سزا دینے کوحلال کرتا ہے۔‘‘ (مظاہرحق، ج:۳،ص:۱۳۲)

احکام القرآن للجصاص میں ہے:

’’(وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ) یعنی (لَاتَظْلِمُوْنَ) بأخذ الزیادۃ (وَلَاتُظْلَمُوْنَ) بالنقصان من رأس المال، فدلّ ذٰلک علٰی أنہٗ متی امتنع من أداء جمیع رأس المال إلیہ کان ظالمًا لہٗ مستحقا بالعقوبۃ، واتفق الجمیع علٰی أنہٗ لایستحق العقوبۃ بالضرب، فوجب أن یکون حبسًا لاتفاق الجمیع علی أن ماعداہ من العقوبات ساقط عنہ فی أحکام الدنیا، وقد روی عن النبی ﷺ مثل ما دلت علیہ الأیۃ، وھو ما حدثنا محمد بن بکر... عن رسول اللّٰہ ﷺ قال: ’’لیّ الواجد یحلّ عرضہٗ وعقوبتہٗ۔‘‘ قال ابن المبارک: ’’یحل عرضہٗ یغلظ لہٗ وعقوبتہٗ یحبس...‘‘ وروی عن ابن عمرؓ وجابرؓ وأبی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ أنہٗ قال: ’’مطل الغنی ظلم، وإذا أحیل أحدکم علی ملیء فلیحتل‘‘۔فجعل مطل الغنی ظلمًا والظالم لا محالۃ مستحق العقوبۃ، وھی الحبس لاتفاقھم علی أنہٗ لم یرر غیرہٗ....واختلف الفقھاء فی الحال التی توجب الحبس، فقال أصحابنا: إذا ثبت علیہ شئ من الدیون من أی وجہ ثبت فإنہٗ یحبس شھرین أو ثلاثۃ، ثم یسأل عنہ فإن کان موسرا ترکہٗ فی الحبس أبدا حتی یقضیہ، وإن کان معسرا خلّٰی سبیلہٗ، وقال ابن أبی لیلٰی: ’’یحبسہٗ فی الدیون إذا أخبر إن عندہٗ مالا۔‘‘ (احکام القرآن للجصاص، ج:۱،ص:۶۴۹، ط:قدیمی)

حاصلِ عبارت

۱: قرض دار سے اپنے سرمایہ سے زیادہ وصول کرنا ظلم ہے۔

۲: قرض خواہ کو پورا قرضہ ادا نہ کرنا بھی ظلم ہے۔

۳: آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض خواہ کو پورا سرمایہ ادا نہ کرنے والا سزا کا مستحق ہے۔

۴: فقہاء کا اتفاق ہے کہ بطور سزا ضعف قید کیا جاسکتا ہے، مار پٹائی نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ دنیا میں اس سے باقی سزائیں ساقط ہیں۔

۵: مالدار کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت کو پامال کرنے اور سزا دینے کو حلال کردیتا ہے، حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق اس کے ساتھ سختی کرنا اور اسے قید کرنا جائز ہے۔

۶: فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ قرض دار کو کب قید کیا جاسکتا ہے؟ ہمارے اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ جس پر تھوڑا قرض بھی ہو اور وہ اسے ادا نہ کرے تو اسے دو مہینہ قید کیا جائے گا۔

تفسیر القرآن للقرطبیؒ (ج:۳-۴، ص:۱۷۱، ط: الہیئۃ المصریۃ، بیروت) میں ہے:

''(وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ، وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ)''وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ''مع قوله''وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ'' يدل علٰى ثبوت المطالبة لصاحب الدين على المدين، وجواز أخذ مالہٖ بغير رضاه، ويدل علٰى أن الغريم متى امتنع من أداء الدين مع الإمكان كان ظالمًا؛ فإن اللّٰه تعالٰى يقول: ''فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ'' فجعل لهٗ المطالبة برأس مالہٖ، فإذا كان لهٗ حق المطالبة فعلٰى من عليه الدين لا محالة وجوب قضائہٖ''۔

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا:

۱: قرض خواہ قرض دار سے اپنے قرض کا کسی بھی وقت کسی بھی طرح مطالبہ کرسکتا ہے۔

۲: اس کی رضامندی کے بغیر بھی اس کا مال لے سکتا ہے۔

۳: قرض خواہ کو مطالبے کا حق ہے اور قرض دار پر ادائیگی واجب ہے۔

فقہاء نے بیت المال کے لیے قرض لینے یا بیت المال سے قرض جاری کرنے کا جواز چند شرائط سے مشروط بتایا ہے، مثلاً:

۱: مصلحت عامہ ملحوظ ہو۔

۲: ہر قسم کی توثیق اور اعتماد کا لحاظ ہو۔

۳: قرض وصولی پر بھرپور قدرت بھی ہو۔

۴: مجاز اتھارٹی کی اجازت یعنی قرض وصولی کے قانونی تقاضے پورے کیے جائیں۔

۵: صرف ایسے لوگوں کو قرض جاری کیا جائے جو صاحب استطاعت اور امانت دار ہوں۔

۶: ذاتی کاروبار کے فروغ کے لیے سرمایہ کاری کو قرضہ کی بنیاد بنانے والا نہ ہو۔

چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

’’الاستدانة من بیت المال و لبیت المال ونحوہ کالوقف: الأصل فی ذالک أن الاستدانة لبیت المال ومنہ جائز شرعًا، أما الاستدانة منه فلما ورد أن أبابکرؓ استقرض من بیت المال سبعة آلاف درهم، فمات وهی علیه، فأوصٰی أن تقضی عنه، وقال عمرؓ: ’’إنی أنزلت نفسی من مال اللّٰه منی بمنزلة مال الیتیم، إن احتجت إلیه أخذت منه، فإذا أیسرت قضیت‘‘۔ أما الاستدانة علٰی بیت المال فلما روٰی أبورافع أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم استسلف من رجل بکرا، فقدمت علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إبل الصدقة، فأمر أبا رافع أن یقضی الرجل بکرہٗ، الحدیث. فهذہٖ استدانة علی بیت المال؛ لأن الرد کان من مال الصدقة، وکل هذا یراعی فیه المصلحة العامة، والحیطة الشدیدة فی توثیق الدین، والقدرة علٰی استیفائه. ویشترط لذالک علی ماصرح به الحنفیة فی الوقف – وبیت المال مثله –أن یکون بإذن من له الولایة، وأن یکون الإقراض لملیء موتمن، وألایوجد من یقبل المال مضاربة، وألایوجد مستغلا تشتری بذالک المال‘‘۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، مادۃ: الاستدانۃ، ج:۳،ص:۲۶۷، ۲۶۸، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ الکویت)

اسی طرح تمام فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سرکاری ملک کو کسی بھی طور پر نقصان پہنچانا اور اُسے تلف کرنا یا ضائع کرنا قابل مواخذہ جرم ہے، ایسے مجرم سے قومی خزانے کے نقصان کی لازماً تلافی کرائی جائے گی، جیسا کہ موسوعہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہے:

’’لاخلاف بین الفقهاء فی أن من أتلف شیئًا من أموال بیت المال بغیر حق کان ضامنًا لما أتلفهٗ، وإن من أخذ منه شیئًا بغیر حق لزمهٗ ردهٗ، أو رد مثلهٗ إن کان مثلیًّا، وقیمتهٗ إن کان قیمیًّا، وإنما الخلاف بینهم فی قطع ید السارق من بیت المال۔‘‘ (أیضا، مادہ: بیت المال، ج:۸،ص:۲۶۲)

قومی خزانے کے مجرم کی پشت پناہی کا حکم

الغرض لوگوں کے انفرادی یا اجتماعی اموال، قرض یا کسی بھی نام سے ہتھیانے کے بعد استطاعت کے باوجود واپس نہ کرنا، اس کا ضیاع واتلاف ہے اور یہ عمل خیانت، غلول، مطل (ٹال مٹول) اور ظلم وناانصافی کہلاتا ہے اور شرعاً قابل مواخذہ جرم ہے، ایسے شخص کے خلاف ہر قسم کی شرعی، اخلاقی اور قانونی کارروائی نہ صرف جائز، بلکہ ضروری وواجب بھی ہے، ایسا شخص کسی قسم کی رعایت کا مستحق نہیں ہے اور اگر کوئی فرد، ادارہ یا ریاست ایسے مجرم کی پشت پناہی یا رعایت کی روادار ہو تو وہ بھی شرعاً شریک جرم شمار ہوگی، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’من یکتم غالا فإنهٗ مثلهٗ۔‘‘ (مشکوٰۃ:۳۵۱)

''جس شخص نے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپایا تو وہ بھی خیانت کرنے والے کی طرح ہے۔''

اگر کوئی شخص سرکاری خزانے میں خیانت، غلول، غبن یا چوری کا مرتکب قرار پائے اور حاکم وقت اُسے رعایت اور معافی دینا چاہے تو اس کا یہ عمل بجائے خود خیانت شمار ہوگا اور حاکم کا یہ فعل ناجائز وجرم شمار ہوگا۔ حاکم وقت' سرکاری خزانے کو نقصان پہنچانے والے کی معافی کا قطعاً مجاز نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک شخص غلول کا مرتکب قرار پایا، پھر وہ بار ہا آپ ﷺ کی خدمت میں معافی تلافی کے لیے حاضر ہوتا رہا، مگر آپ ﷺ نے اس کے اعتذار کو ناقابل سماعت قرار دیا:

''**لا أملک شیئًا، قد أبلغتک**۔'' (مشکوٰۃ: ۲۴۹)

''میں کسی چیز کا مالک نہیں ہو، اپنی بات پہنچا چکا۔''

ایک اور روایت میں فرمایا:

''**لیس لهٗ یوم القیامة إلا النار**۔'' (مشکوٰۃ: ۲۵۱)

''اس کے لیے قیامت کے روز صرف جہنم کی آگ ہے۔''

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ جس طرح اجتماعی اموال غنائم اور بیت المال کی تقسیم میں وحی کے پابند تھے، اسی طرح بیت المال میں غلول کے مرتکب کی معافی وتلافی اور عذرخواہی میں بھی وحی کے پابند تھے اور غلول وخیانت کے مرتکب کے لیے معافی کے مجاز نہ تھے، ورنہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت وشفقت کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ معذور کی عذرخواہی کو رد نہ فرماتے۔

اس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے اموال جو ''اجتماعی ملکیت'' قرار پائے ہوں، ان اموال میں خیانت کرنے والے کو رحمۃ للعالمین، شفیع الامم، بالمؤمنین رؤف رحیم ﷺ اگر معاف نہیں فرماسکتے تو کسی مسلمان حاکم کو یہ اختیار کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے مجرموں کو معاف کرے یا کسی کو بھی رعایت دے؟ کیونکہ یہ معافی ورعایت کا معاملہ ذاتی مال میں تو ہوسکتا ہے، مگر قومی ملکیت جس کے آپ صرف نگران وامین ہیں مالک نہیں ہیں، شرعی اعتبار سے اس میں یہ اختیار قطعاً نہیں ہوسکتا۔

نتائجِ بحث

①:..... بیت المال، غنائم، اموال الناس، قومی خزانہ اور دوسری سرکاری املاک پوری قوم کی مشترکہ ملک ہے، حاکم وقت' اس ملکیت کا نگران، امین، محافظ اور متولی ہوتا ہے۔

②:..... حاکم وقت' قومی خزانے میں صرف جائز تصرفات کا مجاز ہوتا ہے، ناجائز تصرفات پر خدا، خلق خدا اور شریعت وقانون کا مجرم شمار ہوتا ہے۔

③:..... ضرورت کے وقت جائز مصارف میں خرچ کرنا جائز، بلکہ حاکم کی ذمہ داری

ہے، مگر صوابدیدی عطایا، نوازشات کا اُسے اختیار نہیں۔

④:...... بوقتِ ضرورت، واقعی ضرورت مند افراد کو سرکاری خزانے سے قرض جاری کرسکتا ہے، مگر واپسی کی ذمہ داری اور ضمانت بادشاہِ وقت پر ہی عائد ہوتی ہے، اگر واپسی میں کوئی غفلت برتی تو خود بھی خیانت کا مرتکب ہوگا۔

⑤:......ایسے بااثر لوگ جو سرکاری خزانے یا عام لین دین میں بری شہرت رکھتے ہوں، انہیں سرکاری خزانے سے قرض دینا بھی خیانت شمار ہوگا، کیونکہ عموماً ایسے لوگوں سے خیانت کا ظن غالب رہتا ہے اور ظن غالب وقوع پذیر امر کے حکم میں ہوتا ہے۔

⑥:......قرض لے کر واپس نہ کرنے والوں کو قرض دینا ناجائز ہے، ایسے لوگ کسی قسم کی عزت، رعایت اور نرم خوئی کے مستحق نہیں رہتے، یہ رعایتیں جب ان کا حق نہیں تو غیرحق دار کو نوازنا ایسا ہی ظلم و جرم ہے جیسے حق دار کو اس کے حق سے محروم کرنا ظلم و جرم ہے۔

⑦:......جو شخص قومی ملکیت یا خزانے میں خیانت، غلول اور غبن کا مرتکب قرار پائے وہ معافی کا مستحق ہے، نہ حکومتِ وقت اُسے کسی قسم کی معافی دینے کی مجاز ہے۔

⑧:......جو لوگ قومی خزانے میں ناجائز تصرف، غیرقانونی استفادہ یا قرض لے کر ٹال مٹول کے مرتکب قرار پائیں وہ ظالم ہیں، ان کی حمایت، پشت پناہی اور رعایتی سلوک بھی جرم و ظلم ہی میں شمار ہوتا ہے۔

⑨:......قومی ملکیت اور خزانے سے کسی شکل میں ناجائز استفادہ ایسے کبائر گناہوں میں شمار ہوتا ہے، جن کے بارے میں ''لیس لهم إلا النار'' (ان کے لیے جہنم کی آگ کی سزا ہی ہوسکتی ہے) جیسی شدید وعید سنائی گئی ہے۔

⑩:......جو لوگ حکومت سے قرض لیتے ہیں، پھر معاف کرا لیتے ہیں اور بعض گروی رکھا ہوا سامان بھی اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر اٹھا کے لے جاتے ہیں اور سرکار کے پاس قرض دی ہوئی رقم کی تلافی کے لیے کوئی شکل نہیں بچتی، ایسے لوگ تہرے جرم کے مرتکب شمار ہوں گے:

الف:......سرکاری خزانہ، قومی ملکیت اور اموالِ ناس جنہیں اللہ کا مال بھی قرار دیا گیا ہے، اس میں خیانت، غلول اور غبن کی تمام دفعات لاگو ہوں گی۔

ب:......قرض لیتے ہوئے نیت میں فتور اور دل میں کھوٹ ہو اور رہن (گروی) رکھنا محض رسمی فریب ہو تو یہ سب دھوکہ دہی کے زمرے میں آتا ہے، ایسے لوگ دھوکہ بازی کے مجرم بھی شمار ہوں گے، دھوکہ دینا ایمان کی علامتوں کی نفی کرتا ہے، ایسا شخص مسلمانوں کی فہرست میں شمار ہونے کا حقدار نہیں رہتا۔

ج:......ہمارے ہاں عام لوگوں کو بھاری بھاری رقمیں قرض کے طور پر نہیں دی جاتیں، بلکہ یہ راستہ صرف ان لوگوں کے لیے کھلا رکھا گیا ہے، جو اپنے پس منظر میں گہرا اثر ورسوخ، بڑی بڑی

جاگیریں، وسیع کاروبار اور وافر سرمایہ رکھنے والے ہوتے ہیں، ایسے لوگ شرعی اعتبار سے غنی مالدار شمار ہوتے ہیں، اگر وہ اپنے سرمایہ سے زیادہ قرض لے لیں تو ان کا قرض چونکہ شرعاً اضطراری قرض نہیں بنتا، بلکہ پیداواری قرض ٹھہرتا ہے، اس لیے وہ ہر حال میں غنی (مالدار) ہی شمار ہوں گے اور اوپر تفصیل سے عرض ہو چکا کہ مالدار مقروض اگر قرض کی واپسی میں ٹال مٹول سے کام لے تو وہ ایسا ظالم ہے کہ اس کی ہر نوع کی بے آبروئی، اہانت، سزا و مواخذہ جائز ہے، کیونکہ یہ شخص صاحب استطاعت ہونے کے باوجود ٹال مٹول کا مرتکب ہے، صاحبِ حیثیت مقروض کے لیے قرض کی واپسی نہ کرنے پر جتنی وعیدیں، دنیا و آخرت کی سزائیں' احادیث میں وارد ہوئی ہیں، ہمارے قومی خزانے کے مراعات یافتہ مقروض لوگ، ظالمانہ مطل (ٹال مٹول) کی وجہ سے ان تمام وعیدوں کے مستحق ومصداق قرار پائیں گے اور قومی خزانے کے ساتھ ان کا یہ ظالمانہ برتاؤ انہیں تہرے جرم کا مرتکب ٹھہرائے گا۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو امانت، دیانت، خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کے بھلائے ہوئے اسباق یاد کرنے اور یاد رکھنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین!

وصلّی اللّٰہ علی سیدنا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

علومِ حدیث میں اختصاص

اہمیت وضرورت

مولانا محمد یاسر عبداللہ

علومِ حدیث، اِک بحرِ بیکراں

تاریخِ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں علمائے حق نے دین کے بنیادی مآخذ کی حفاظت وصیانت کی خاطر جن نئے علوم وفنون کی داغ بیل ڈالی ہے، ان کا ایک معتد بہ حصہ مختلف جہات اور متنوع عنوانات سے معنون ہوکر ''علوم حدیث'' کی صورت زندہ وتابندہ ہے، عنوان کی سادگی کی بنا پر ظاہر بینوں کو پہاڑ، رائی کی مانند دکھنے لگتا ہے، لیکن حقیقت سے آشنا طبائع اس بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہوکر انگشت بدنداں رہ جاتی ہیں، علم کا جوشیدائی بھی اس سفر پر روانہ ہوا تو متاعِ حیات تسلیم کرکے بھی تشنہ لبی پر شکوہ کناں نظر آیا، ان علوم کی وسعت کے اجمالی تعارف کے لیے چھٹی صدی ہجری کے معروف محدث وفقیہ، امام ابوبکر زین الدین حازمی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۸ھ-۵۸۴ھ) کے اس فرمان پر نگاہ ڈالیے:

''علم الحديث يشتمل علىٰ أنواع كثيرة، تقرب من مائة نوع، ذكر منها طائفة أبوعبدالله الحافظ رحمة الله عليه في ''معرفة علوم الحديث''، وكل نوع منها علم مستقل لوأنفق الطالب فيه عمرهٗ لما أدرك نهايتهٗ، لكن المبتدئ يحتاج أن يستطرف من كل نوع؛ لأنها أصول الحديث، ومتىٰ جهل الطالب الأصول تعذر عليه طريق الوصول۔''(۱)

''علم حدیث کی سو کے لگ بھگ انواع ہیں، حافظ ابوعبداللہ (حاکم) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''معرفة علوم الحديث'' میں ان انواع میں سے معتد بہ تعداد ذکر کی ہے، اور ہر نوع مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے، (بعض انواع ایسی ہیں کہ) اگر طالب علم پوری حیاتِ مستعار انہیں میں صرف کرڈالے تب بھی انتہا کو نہ پاسکے گا، لیکن مبتدی کو چاہیے کہ ہر نوع سے معتد بہ استفادہ کرے؛ اس لیے کہ یہ حدیثی اصول ہیں، اور طالب علم اصول سے ہی نابلد ہو تو مقصود تک پہنچنا دشوار ہوجاتا ہے۔''

کچھ احوالِ واقعی

مرورِ زمانہ کے ساتھ اب یہ سمجھانا بھی دشوار ہو چلا ہے کہ ان علوم میں زندگیاں کھپانے کی ضرورت ہی آخر کیا ہے؟ بہتیرے طلبائے علم، درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد یہ سوال پوچھتے نظر آتے ہیں کہ محدثین نے جب بازی جیت لی ہے تو پھر ''تخصص فی علوم الحدیث'' کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ اس صحرانوردی سے ہمیں کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؟ اور یہ اختصاص ہمیں مستقبل میں کس جہت سے نمایاں مقام دلا سکتا ہے؟ علم کے تنزل کے دور میں اس نوع کے سوالات تعجب خیز نہیں ہوا کرتے، ایسے وقت بدیہی امور نظری بن ہی جایا کرتے ہیں، کچھ قصور اُن نادان دوستوں کا بھی ضرور ہے جو سفر سے واپسی پر راہ کی حسین وادیوں کی واقعی وحقیقی منظر کشی نہ کر سکے، یا طبعی کسل کی بنا پر خرگوش کی مانند آخری گھڑیوں کے انتظار میں فرصتِ زریں کھو بیٹھے اور اقبال کے الفاظ میں ''چند کلیوں پر ہی قناعت کر آئے''، ایسے میں کسی نوخیز نے کارگزاری پوچھی تو چند نابیناؤں کی طرح قوتِ لامسہ کے ذریعے ہاتھی کی دم، پیر اور شکم، جسے چھو کر محسوس کیا، اسی کا دم بھرتے نظر آئے، اور علم کی متلاشی پیاسی طبیعتیں اس ''جہت'' کو تھوڑا خیال کر کے قدم بڑھا گئیں، یوں ذہانتوں کی بے توجہی سے میدانِ علم میں آیا خلا وسیع ہوتا چلا گیا۔

منظر کی دھندلاہٹ میں کچھ دخل رویوں کے افراط وتفریط کا بھی ہے، بعضے ان علوم کی عظمت تلے دب کر یوں مغلوب ہوئے کہ دیگر میادینِ علم سے مستغنی دکھائی دیئے، غلبۂ حال میں یہ مسلمہ حقیقت نگاہ سے اوجھل ہوگئی کہ علوم اسلامیہ سبھی اپنا سرمایہ ہیں، جو باہم مربوط ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اور طبعی رجحانات کی تقسیم تو تکوین کا کرشمہ ہے، جس سے ہر میدان کی رکھوالی مقصود ہے، ایک جماعت اس راہ سے خوابیدہ یا نیم چشیدہ ہی گزری اور جو لوٹی تو اپنی ''پھوٹی کوڑی'' کو یواقیت وجواہر جان کر سلف کی جاں گسل جد وجہد پر ''دوحرف'' پڑھتے سنائی دی۔

''اپنوں'' کی اس بے اعتنائی میں ''غیروں'' کی اُڑائی ''گرد'' کا کردار بھی بھولنے جیسا نہیں، کچھ خالی ذہن تھے، سو جو جام تھمائے گئے، مخمور ہو کر انہیں کے گن گاتے نظر آئے، بعض عقلیت پسند تھے تو انہیں من بھاتی عقلی موشگافیاں ''خوابیدہ ضمیر'' کی آواز لگیں، بھول گئے کہ وارِدانِ خوانِ نبوت، علم وتقویٰ کے شناور ہونے کے ساتھ ''روایت ودرایت'' اور ''عقل ونقل'' کے اسلحے سے بھی لیس تھے، وہ کھرا کھوٹا جانتے تھے اور انسانی وسعت کے دائرے میں اپنا فرض نبھا گئے ہیں، شکووں کی یہ داستاں طویل ہے اور درازگوئی کا یہ موقع نہیں، مدعا صرف یہ ہے کہ ''علومِ حدیث'' کے اس میدان پر راہ گیروں کی قلت کے کچھ داخلی وخارجی اسباب وعوامل بھی ہیں۔

اختصاص کیوں ضروری ہے؟

علوم اسلامیہ کی دنیا وسیع وعریض ہے، دورِ قدیم میں طبائع باہمت، حوصلے بلند وبالا،

صحتیں تنومند و توانا اور حافظے مضبوط ہوا کرتے تھے تو بیک وقت علوم عقلیہ ونقلیہ کی جامع شخصیات بھی موجود رہتی تھیں، عہد رفتہ کے ساتھ صلاحیتیں دیمک زدہ ہوتی گئیں تو جامعیت کی شان بھی ندرت کا شکار ہونے لگی، یوں اختصاصی مہارتوں کی ضرورت بڑھتی چلی گئی، اختصاصی مہارتوں کی اہمیت بتلانے کو زبانِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نکلے ان الہامی جملوں میں پنہاں اشارے قابل غور ہیں:

''عن أنس بن مالکؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:'' أرحم أمتی بأمتی أبوبکرؓ، وأشدھم فی أمر اللّٰہ عمرؓ، وأصدقھم حیاء عثمان بن عفانؓ، وأعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبلؓ، وأفرضھم زیدبن ثابتؓ، وأقرؤھم أبی بن کعبؓ، ولکل أمۃ أمین، وأمین ھذہ الأمۃ أبوعبیدۃ بن الجراحؓ۔'' (۲)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:''میری امت کے سب سے رحم دل انسان ابوبکرؓ، حکمِ خداوندی کے معاملے میں سب سے سخت عمرؓ، سب سے باحیا عثمان بن عفانؓ، سب سے زیادہ حلال وحرام کے مسائل جاننے والے معاذ بن جبلؓ، علم فرائض کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابتؓ، اور سب سے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں، اور ہر امت کا ایک امین ہوا کرتا ہے، میری امت کے امین ابوعبیدہ بن جراحؓ ہیں، رضی اللہ عنہم۔''

محدثین اس حدیث کو عام طور پر ''مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے ذیل میں ذکر کرتے ہیں، اس لیے کہ اس میں یکجا کئی کبار صحابہؓ کے مقام ومرتبہ اور ان کے امتیازی اوصاف وخصوصیات کا بیان ہے، ''اشارۃ النص'' کے طور پر اس حدیث سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ''اختصاص'' کی بنیاد عہدِ نبوت میں ہی ڈال دی گئی تھی، چنانچہ مذکورہ روایت میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے اختصاصی علوم کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔ یوں بھی دورِ حاضر کو اختصاص (اسپیشلائزیشن Specialization) کا عہد کہا جاتا ہے، بلکہ اب نوبت اس سے بڑھ کر ذیلی اختصاص (سب اسپیشلائزیشن Sub Specialization) تک جا پہنچی ہے، چنانچہ آج علاج کے سلسلے میں بھی جنرل ڈاکٹر کے بجائے متخصص (اسپیشلسٹ Specializatist) سے ہی رجوع کیا جاتا ہے، اس بنا پر علوم دنیویہ کی مانند علوم اسلامیہ میں بھی یہی رویہ عین فطرت کے مطابق ہے کہ ضروری علوم میں کلی وبنیادی معلومات کے حصول کے بعد کسی ایک علم وفن میں کمال حاصل کیا جائے، کیونکہ ہر ایک علم وفن میں دقت رسی دشوار ہی نہیں، کہا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں ناممکن ہے، فقہ ظاہری کے امام اور پانچویں صدی کے نامور عالم، حافظ ابومحمد علی بن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۴ھ-۴۵۶ھ) اپنی کتاب ''مراتب العلوم'' میں اس پہلو پر بحث کرتے ہوئے کچھ یوں رقم طراز ہیں:

''من طلب الاحتواء علی کل علم أوشک أن ینقطع وینحسر، ولایحصل علی شیئی۔ وکان کالمحضر إلٰی غیر غایۃ، إذ العمر یقصر عن ذلک. ولیأخذ من کل

علـم بنصيب، ومقدار ذلک: معرفتهٗ بأعراض ذلک العلم فقط، ثم يأخذ مما بهٖ ضرورة إلٰی مالابد لهٗ منه ، كماوصفنا، ثم يعتمد العلم الذی يسبق فيه بطبعهٖ وبقلبهٖ وبحيلتهٖ، فيستكثر منه ماأمكنهٗ، فربما كان ذٰلک منه فی علمين أو ثلاثة أو أكثر، علٰی قدر ذكاء فهمهٖ، وقوة طبعهٖ، وحضورخاطرهٖ، و إكبابهٖ علٰی الطلب۔‘‘ (۳)

’’جس کسی نے بھی ہرعلم میں مہارت حاصل کرنے کا ارادہ کیا وہ ختم ہوکر رہ گیا اور کچھ حاصل نہ کر پایا، اس کی مثال اس تیز رفتار شخص کی مانند ہے جس کی کوئی منزل نہ ہو؛ اس لیے کہ متاعِ حیات بہت تھوڑی ہے، لہٰذا ہرعلم میں سے کچھ حصہ حاصل کرنا چاہیے، یعنی اس کے بنیادی مقاصد کی معرفت کے بعدضروری مباحث کوحاصل کرے، بعدازاں جس علم کی جانب طبعی وقلبی میلان اوررجحان ہواس میں حتیٰ الامکان مزید محنت وکوشش سے کام لے، یوں فہم وذکاوت، طبعی قوت، جمعیتِ خاطراور یکسوئی کے بقدرکم وبیش دوتین علوم میں ہی مہارت حاصل کرسکے گا۔‘‘

ذرا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ہمارے سلف میں یہی رجحان پایا جاتا تھا، امامِ لغت وجلیل القدر امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۷ھ-۲۲۴ھ) کا کہنا ہے:

’’مـانـاظـرنـی رجلٌ قط وكان مفنّنا فی العلوم إلا غلبتهٗ، ولاناظرنی رجل ذوفن واحد من العلوم إلا غلبنی فيه۔‘‘(۴)

’’جب بھی کسی متعدد علوم پر نگاہ رکھنے والے عالم سے مناظرے کی نوبت آئی تو میں غالب رہا، لیکن ایک فن کے ماہرکو ہمیشہ اس فن میں مجھ پرغلبہ حاصل رہا ہے۔‘‘

چنانچہ متقدمین کے دور سے ہی حدیث کے سلسلے میں محدث کی اورفقہ واستنباط کے پہلو سے فقیہ کی رائے ہی معتبر قرار پاتی تھی، کوئی بعید نہیں کہ علوم اسلامیہ کی تدوین کے ابتدائی ادوار میں ’’فقہ‘‘ کی وسعت کے تین مختلف زاویوں (عقائدوکلام، فقہ اصطلاحی اورتزکیہ واحسان) میں پھیلاؤ کے پس پشت یہی فکر کارفرما رہی ہو، اس پہلو سے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (۹۰۹ھ-۹۷۳ھ) کا یہ جملہ ان گنت پیچیدہ گتھیاں سلجھا سکتا ہے:

’’من غلب عليه فن يرجع إليه فيه دون غيرهٖ۔‘‘(۵)

’’جس عالم پر کوئی ایک فن غالب ہوتو اسی فن سے متعلق ان سے رجوع کیا جائے گا، دیگرعلوم میں ان سے رہنمائی نہیں لی جائے گی۔‘‘

برصغیر کے نامورمحقق عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۴ھ-۱۳۰۴ھ) رقم طراز ہیں:

’’إن اللّٰه تعالٰی جعل لكل مقام مقالًا ولكل فن رجالًا، وخص طائفة من مخلوقاتهٖ بـنـوع فـضـيـلة لاتـجـد فـی غيـرهٖ، فـمن المحدثين من ليـس لهم حظ إلا رواية الأحاديث ونقلها من دون التفقه والوصول إلٰی سرها، ومن الفقهاء من ليس لهم حظ إلا ضبـط لـلـمسـائـل الـفـقهية مـن دون الـمهارة فی الروايات الحديثية، فالواجب أن ننزل كُلًّا منهم فی منازلهم، ونقف عندمراتبهم۔‘‘ (۶)

’’اللہ تعالیٰ نے ہر موقع کے مناسب کلام اور ہر فن کے لائق مردانِ کار پیدا کیے ہیں، اپنی مخلوقات میں سے بعض کو خاص نوع کی فضیلت بخشی ہے، جو باقی مخلوق میں نہیں، بعض محدثین کو محض احادیث کی روایت ونقل کا مشغلہ نصیب ہوا ہے، حدیث کی فقہ اور اسرار تک ان کی رسائی نہیں، یونہی فقہاء کی ایک جماعت مسائل فقہیہ کے ضبط میں مصروف رہی ہے، انہیں حدیثی روایات میں دست گاہ حاصل نہ تھی، لہٰذا ہر ایک طبقہ کو اس کا جائز مقام دینا اور ان کے مراتب کی حدود پر قائم رہنا ضروری ہے۔‘‘

جب ہر فن میں صاحبِ فن کا قول ہی معتبر ٹھہرا تو ہر دور میں ہر فن کے متخصصین کا وجود بھی ناگزیر قرار پاتا ہے، پھر جبکہ علوم آلیہ بلکہ علوم عقلیہ محضہ کے شناوران پر زندگیاں نچھاور کر رہے ہوں تو علوم عالیہ اور خصوصاً علوم حدیث پر جان کاری کی اہمیت اہل دانش سے مخفی نہ رہنی چاہیے، بلاشبہ کسی بھی علم وفن کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن ’’أعط کلَّ ذی حق حقہٗ‘‘(۷) (ہر حق دار کو اس کا جائز حق دو) کے مخاطبین سے واجب حق کی ادائیگی کا سوال بھی اہل عقل کے ہاں یقیناً غیر دانشمندانہ شمار نہ ہوگا، تعلیم کے انتہائی مرحلے میں طبعی رجحانات ومیلانات کو پیش نظر رکھ کر صلاحیتوں کی تقسیم کے لحاظ سے ہر میدان کی علمی ضروریات کو دیکھتے ہوئے منصفانہ تقسیم کا مطالبہ عین فطرت ہے اور یہی ان گزارشات کا مقصود ہے۔

’’تخصصات‘‘ کے سلسلے میں ایک عمومی اشکال سننے میں آتا ہے کہ قدماء میں تو یہ طریقہ رائج نہیں رہا، آخر اس کی ضرورت کیا ہے؟ عرض یہ ہے کہ بلاشبہ قدماء کے ہاں مروجہ طرز پر ’’تخصصات‘‘ کا رواج نہ تھا، لیکن امتِ مسلمہ کی علمی وتعلیمی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد طلباء کو جس فن سے قلبی وابستگی ہوتی تو اس فن کے ماہر کے ہاں جاکر مزید رسوخ حاصل کیا کرتے تھے، عصر حاضر میں چونکہ انفرادی تعلیم کا یہ سلسلہ دشوار ہو چلا ہے، اس بنا پر مدارس وجامعات میں انتظامی طور پر اصحابِ فن کی نگرانی میں شعبے کھول کر طلبائے علم کو استفادے کی دعوت دی جاتی ہے، گویا زمانے کے چلن کی بنا پر اسلوب ومنہج کا فرق ہے، حقیقت وہی ہے جو قدماء سے چلی آ رہی ہے۔

علومِ حدیث میں اختصاص کی ضرورت

مندرجہ بالا تفصیل سے اجمالی طور پر دیگر علوم کی طرح علومِ حدیث میں اختصاص کی اہمیت وضرورت بھی واضح ہوگئی، اس سلسلے میں چند مزید گزارشات نکات کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں:

①..... قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا بنیادی ماخذ ’’حدیث وسنت‘‘ ہے، اس لیے حفظِ مراتب کے پہلو سے بھی قرآن وعلوم قرآن کے بعد علوم حدیث زیادہ توجہات کے مستحق ہیں، شاید اسی بنا پر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۲ھ-۱۳۵۲ھ) کے فرزندِ نسبتی اور ان کے افادات پر مشتمل علمی سرمائے ’’انوار الباری شرح صحیح بخاری‘‘ کے مرتب مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تجزیہ ہے: ’’میرے

نزدیک علومِ اسلامیہ میں سب سے زیادہ اہم اور مشکل‘ حدیث ہی کا تخصص ہے۔‘‘(۸)

درسِ نظامی کے مختلف درجات میں کتبِ ستہ سمیت دیگر کتبِ حدیث و اُصولِ حدیث شامل نصاب ہیں، جن سے علوم حدیث سے بنیادی شناسائی تو ضرور پیدا ہوجاتی ہے، لیکن دیگر علوم کی طرح اختصاصی مہارت تک رسائی حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا جیسے ’’تخصص فی التفسیر واصولہ‘‘، ’’تخصص فی الفقہ والافتاء‘‘، ’’تخصص فی الادب العربي‘‘، ’’تخصص فی الدعوۃ والارشاد‘‘ اور ’’تخصص فی العلوم العقلیۃ‘‘ کی ضرورت بجاطور پرمحسوس کی جاتی ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ذہین فضلاء کی ایک جماعت ’’تخصص فی علوم الحدیث‘‘ کی جانب متوجہ ہو، اوراس جہاں میں زندگی کھپا کر اُمتِ مسلمہ کی طرف سے فرضِ کفایہ کی ادائیگی کا ذریعہ ثابت ہو، اس نکتے کو پیش نظر رکھتے ہوئے گردوپیش پر نگاہ ڈالی جائے تو افراد کی جتنی تعداد دیگر میدانوں میں نظر آتی ہے، علومِ حدیث میں اختصاصی مہارتوں کی جانب ویسی توجہات نہیں۔

۲:..... عصر حاضر میں علوم حدیث کے بہت سے پہلو بے اعتنائی کا شکار ہیں، مثلاً: رجال احادیث، جرح وتعدیل، ضبط اسمائے رواۃ، غریب الحدیث، اسباب ورود احادیث، ناسخ ومنسوخ، اوراحادیث الاحکام وغیرہ، پہلے گذر چکا کہ علوم حدیث ایک وسیع میدان ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ان علوم کی چورانوے (۹۴) انواع ذکر کی ہیں، ان میں سے ہرنوع پر مستقل کتب کی تالیف سے اسلامی کتب خانے میں ایک بہت بڑا ذخیرہ وجود میں آیا ہے، اورروز بروز اس میں مختلف جہات سے ترتیب وتدوین، تلخیص و اختصار اور مختلف مباحث کے حوالے سے اٹھنے والے نئے اشکالات وسوالات کا جواب دینے کے لیے لکھا جانے والا لٹریچر بڑھ رہا ہے، جس کے تعارف، مناہج کی پہچان اوراستفادہ کے طریقہ کار کی معرفت کارے دارد، ’’علوم حدیث میں اختصاص‘‘ کا ایک اہم مقصد اس قیمتی ذخیرے کا تعارف اور ہرعلم وفن میں لکھی گئی کتب کے مناہج کی معرفت بھی ہے، تاکہ اس قیمتی ذخیرے سے واقفیت حاصل کرنے کے نئے مباحث میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی جاسکے۔

۳...... ہر دور کی طرح دور حاضر میں بھی عوام اورخواص کے مختلف حلقوں میں شدید ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن ہے، موضوعات کے اس شیوعمیں کھرے کھوٹے کی تمیز کرکے عوام وخواص میں اس کا شعور بیدار کرنا بھی ایک اہم عمل ہے، نیزفتن ودیگر موضوعات کی بے شمارروایات کا صحیح فہم نہ ہونے کی بنا پر غلط فہمیوں کا ایک طوفان برپا ہے، محتمل روایات کے مصداقات کی تعیین کے ذریعے بھی فتنہ وفساد کی راہیں‘ واکی جارہی ہیں، اس صورت حال کی بنا پرعوام میں جو بے چینی اور ہیجان کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اصحاب فہم ودانش اس کا ادراک بھی کررہے ہیں، لیکن اس پہلو پر علمی وتحقیقی کام کرکے ’’تشکیک‘‘ کی اس فضا کوختم کرنے والے مردانِ جفا کار کو اَکھیاں ترس رہی ہیں اورانتظار کی یہ طویل شب عرصے سے صبح کی نویدِمسرت سننے کو بے تاب ہے۔

۴......اصول حدیث کی متداول کتب، محدثین اورخصوصاً فقہ شافعی کی نمائندہ شمار کی جاتی ہیں،

جن کے بہت سے مباحث میں فقہائے حنفیہ کی آراء محدثین سے مختلف ہیں، اور درسِ نظامی کا عام فاضل محض حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ) کی ''نزهة النظر شرح نخبة الفكر'' یا علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) کی ''تدريب الراوي في تقريب النواوي'' پڑھ کر حدیثی مباحث میں محدثین وشافعیہ کی آراء کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سی الجھنوں کا شکار رہتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ فقہائے احناف کی اصولی آراء ہماری اصول فقہ کی ''کتب السنة'' کے ضمن میں زیر بحث آتی ہیں، وہاں اس جانب توجہات مبذول نہیں رہتیں، نیز احناف کے ہاں اس پہلو سے مستقل کام بھی کم ہے، ان اسباب کی بنا پر نصابی تعلیم کے دوران اصولِ حدیث کے پہلو سے خلا باقی رہ جاتا ہے، اور اختصاصی شعبوں میں اس کمی کی تلافی کی کوشش کی جاتی ہے، علومِ حدیث کے نامور عالم ومحقق مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۲۰ھ) کا درج ذیل بیان پڑھیے:

''حنفی عالم کو محدثین کی مصطلح کے علاوہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے، اس کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے، خصوصاً جصاصؒ کی اصولِ فقہ، سرخسیؒ اور بزدویؒ کی کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے، وہ پیش نظر رہے کہ ہمارے ہاں نقد حدیث کے وہی اصول ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں، وہ نہیں جو ابن صلاحؒ اور بعد کے لوگوں نے بنائے ہیں، اس سلسلے میں ''کشف بزدوی'' اور ''اصول سرخسی'' کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔'' (۹)

۵:...... ''تخصص فی علوم الحدیث'' کے ان شعبوں کا ایک بنیادی مقصد علم حدیث کی تدریسی استعداد کے ساتھ تالیفی صلاحیت پیدا کرنا بھی ہے، اصحابِ نظر جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا موجود مطبوعہ کتب سے کئی گنا بڑا ذخیرہ مخطوطات کی صورت میں مسلم وغیر مسلم دنیا کے مختلف سرکاری، اداراتی اور نجی کتب خانوں میں پردۂ خفا کی نذر ہے، ایسے میں پختہ وذی استعداد مدرسین کے ساتھ تحقیقِ مخطوطات کے ماہر اور عمدہ تالیفی صلاحیتوں کے حامل فضلاء بھی علمی میدان کی ضرورت ہیں، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر لکھا تھا:

''تخصص کی دو شکلیں ہیں:

۱:......ایک یہ کہ طالب علم درس کے سلسلے میں استعداد پیدا کرسکے، اور وہ ''التخصص فی درس الحدیث'' کا اہل ہو۔

۲:......دوسرے یہ کہ جب لوگوں میں تصنیف وتالیف کی اہلیت ہو، ان کے تخصص کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی خاص موضوع پر کسی کتاب کی تالیف کرسکیں، یا حدیث کے کسی مخطوطے کی تصحیح کرسکیں، اس پر تعلیقات وحواشی لکھ سکیں۔'' (۱۰)

۶:......سابقہ نکات کے ضمن میں یہ پہلو بھی اہم ہے کہ حدیث کی حجیت اور شرح وبیان کے

حوالے سے مختلف طبقات کی جانب سے اشکالات و جوابات کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے، منکرین حدیث بھی اپنی مردہ اسکیم میں جان ڈالنے کی خاطر آئے روز نت نئے مباحث چھیڑ کر سادہ لوح مسلمانوں میں تشکیکی جراثیم پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اس پر مستزاد بعض مسلم دانشور بھی اپنی کم فہمی کی بنا پر شبہات میں مبتلا ہو کر دانستہ ونادانستہ طور پر عوام میں ان کی اشاعت کی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہیں، اس صورتِ حال نے آج پرانی بحثوں کو دوبارہ زندہ کردیا ہے اور اس وقت عرب وعجم میں متنوع حدیثی موضوعات پر کتب ومقالات لکھے جارہے ہیں، سیمینار اور کانفرنسیں ہورہی ہیں، برصغیر بھی اس صورتِ حال کی لپیٹ میں ہے، اور کسی درجے میں یہاں بھی اس پہلو پر کام کیا جارہا ہے، لیکن جدید چیلنجز کی بنا پر بہت سے تشنہ پہلوؤں پر قدیم ذخیرے کی روشنی میں عوام اور عصری تعلیم یافتہ طبقوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے علمی وتحقیقی لٹریچر کی ضرورت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔

برصغیر کے چند معروف شعبہائے تخصص فی علوم الحدیث کا ایک تعارف

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ برصغیر میں علوم حدیث میں اختصاص کے لیے مستقل شعبہ کی بنیاد ڈالنے میں پہل کا اعزاز جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کو حاصل ہے، محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۷ھ) نے شوال ۱۳۸۳ھ بمطابق نومبر ۱۹۶۳ء میں اس شعبے کی بنیاد ڈالی، اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۰۹ھ) کو نگران مقرر فرمایا، بعد ازاں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد استاذ محترم مولانا محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہٗ (فاضل دارالعلوم دیوبند) تاحال مشرف کے منصب پر فائز ہیں۔

اس شعبے کی پچاس سالہ تاریخ میں بیسیوں تحقیقی مقالات لکھے گئے، جن کی ایک فہرست مولانا علی احمد ومولانا صہیب ضیاء (متخصصین فی علوم الحدیث جامعہ) کی محنت وکوشش سے سہ ماہی ''تحقیقاتِ حدیث''(۱۱) میں چھپ چکی ہے، جس میں ۸۸ مقالات کا ذکر ہے، ان کے علاوہ بھی بہت سے مقالات کی فہرست جامعہ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ یہاں تحقیقی مقالات لکھے جائیں اور طبع ہوکر علمی ذخیرے میں موجود خلا کو پر کریں، چنانچہ جامعہ کے اس شعبے میں لکھے جانے والے بہت سے مقالات ملک و بیرون ملک کے مختلف اشاعتی اداروں سے طبع ہوکر عام ہوچکے ہیں، جن میں سے چند معروف مقالات کا تعارف درج ذیل ہے:

①:..... ''السنة ومکانتها فی ضوء القرآن الکریم '' از مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۹۹۷ء)، یہ مقالہ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں لکھا گیا ہے،

اس دور میں انکارِ حدیث کے فتنے نے سر اٹھایا، جس میں قرآن کریم کی آڑ میں ذخیرۂ حدیث کو بے وقعت بنانے کے مذموم مقاصد کارفرما تھے، اس لیے اس مقالے میں قرآن کریم کی روشنی میں سنتِ نبویہ کی حیثیت ومرتبہ متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اصل عربی مقالہ ''مکتبہ بنوریہ'' سے اور اردو ترجمہ ۱۴۰۰ھ میں جامعہ کے اشاعتی شعبے ''مجلس دعوت وتحقیق اسلامی'' سے طبع ہو چکا ہے۔

۲:.....''مسانيد الإمام أبي حنيفةؒ وعدد مروياته من المرفوعات والآثار'' از مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمہ اللہ (۲۰۰۹ء): یہ مقالہ بھی حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کے اشراف میں لکھا گیا ہے، اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حدیثی مقام، ان کی بیس سے زائد ''مسانید'' کا تعارف و تجزیہ اور ان میں جمع شدہ روایات کی تعداد بیان کی گئی ہے، ۱۳۹۸ھ میں ''مجلس دعوت وتحقیق اسلامی'' سے اور بارِ دگر مولانا شہید کے ادارے ''جامعہ یوسفیہ شاہووام ہنگو'' سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

۳:.....''الكتب المدونة في الحديث وأصنافها وخصائصها'' از مولانا محمد زمان کلاچوی: مقالے کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے، حضرت بنوری رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ کتب حدیث کے تفصیلی تعارف پر مشتمل کتاب ترتیب دی جائے، یہ مقالہ اسی خواہش کی ایک تکمیلی کوشش ہے، ''المصنفات في الحديث'' کا اردو ترجمہ نوشہرہ کی ''القاسم اکیڈمی'' نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔

۴:.....'' الكلام المفيد في تحرير الأسانيد ''از مولانا روح الامین بنگلہ دیشی: مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی لکھے گئے اس مقالے میں بنیادی طور پر مولانا نعمانیؒ کی اور اس ضمن میں اکابر علمائے دیوبند کی اسانید کو یکجا کرنے کی سعی کی گئی ہے، علمائے دیوبند کے ''اثبات'' (ثبت کی جمع، حدیثی اصطلاح کے مطابق کسی ایک شیخ یا چند مشائخ کی اسانیدِ حدیث کا مجموعہ) میں اس کتاب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ پہلے پہل ۱۴۲۵ھ میں ''مکتبہ حجاز دیوبند'' سے اور دوسری بار کچھ عرصہ قبل ''زمزم پبلشرز'' کراچی سے طبع ہو چکا ہے۔

۵:......''أحاديث تلاميذ الإمام وأحاديث العلماء الأحناف في صحيح البخاري'' از مولانا مفیض الرحمٰن چاٹگامی: فقہائے احناف پر حدیث سے دوری کا ایک بے بنیاد اتہام باندھا جاتا ہے، استاذِ محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہٗ کے اشراف میں لکھے گئے اس مقالے میں ذخیرۂ حدیث کی معتبر ترین کتاب ''صحیح بخاری'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ اور دیگر حنفی فقہاء کی سند سے مذکور روایات کو جمع کیا گیا ہے، ''الوردة الحاضرة'' کے نام سے ''زمزم پبلشرز'' سے شائع ہو چکا ہے۔

۶:.....''ثنائيات الإمام الأعظم أبي حنيفةؒ'' از مولانا عبدالعزیز یحییٰ سعدی: امام بخاری رحمہ اللہ کی ''صحیح'' میں بائیس ''ثلاثیات'' (جن روایات میں امام بخاری رحمہ اللہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان محض تین واسطے ہیں) ہیں، اور محدثین کے ہاں ایسی روایات کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے، جن کی سند میں واسطے کم ہوں، استاذ محترم مولانا چشتی مدظلہٗ کی نگرانی میں تحریر کیے گئے پیش نظر مقالے میں امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ۲۱۹ ر ''ثنائیات'' (جن روایات میں امام عالی مقام اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں محض دو واسطے ہیں) جمع کی گئی ہیں، پہلی بار کراچی سے اور بعدازاں ۱۴۲۶ھ میں ''الإمام أبو حنیفة وثنائیاتہٗ'' کے نام سے بیروت کے معروف اشاعتی ادارے ''دار الکتب العلمیة'' سے عالم عرب کے محقق عالم ڈاکٹر نورالدین عتر حفظہ اللہ کی گراں قدر تقریظ کے ساتھ طبع ہوکر عام دستیاب ہے۔

۷:..... ''الجمع بین الآثار'' از مولانا ایوب رشیدی: یہ مقالہ بھی استاذ محترم مولانا چشتی مدظلہٗ کے دورِ اشراف میں لکھا گیا ہے، اس میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی ''کتاب الآثار'' کی روایات کو جمع کرکے ان کے رجال پر کلام کیا گیا ہے، ابتدا میں استاذ محترم کے قلم سے لکھا گیا مقدمہ ایک تحقیقی مقالے کی شکل اختیار کر گیا ہے، اس مقدمے کے اردو ترجمے کا ایک حصہ سیرتِ طیبہ کے متعلق مولانا ڈاکٹر عزیز الرحمٰن کی ادارت میں شائع ہونے والے ششماہی ''السیرۃ'' (۱۲) میں قسط وار چھپ چکا ہے، امید ہے کہ ان شاء اللہ! جلد ہی مستقل کتابی صورت میں طبع ہوگا، جبکہ اصل عربی مقالہ حال ہی میں ''لمحات من التربیة الفقهیة في خیر القرون'' کے نام سے اردن کے اشاعتی ادارے ''دار الفتح'' سے چھپا ہے، مولانا رشیدی کا مقالہ ۱۴۲۶ھ میں ''زمزم پبلشرز'' سے چھپ کر عام ہو چکا ہے۔

۸:..... ''الفقه في السند'' از مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی: وادیٔ مہران میں فقہ اسلامی کے نمو و ارتقا اور یہاں کے اہل علم کی فقہی خدمات کے جائزہ، تعارف وتبصرہ کے حوالے سے لکھے گئے اس مقالے کا اردو ترجمہ ''القاسم اکیڈمی'' نوشہرہ سے شائع ہوا ہے۔

۹:..... ''دراسات في أصول الحدیث علی منهج الحنفیة'' از مولانا عبدالمجید ترکمانی: احناف کے اصولِ حدیث پر اپنی نوعیت کا یہ منفرد کام استاذ محترم مولانا محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہٗ کی نگرانی میں انجام پایا تھا، مزید اضافات اور فنی ترتیب وتدوین کے بعد ابتدا میں ''مکتبة السعادة'' کراچی سے اور پھر بیروت کے معروف اشاعتی ادارے ''دار ابن کثیر'' سے یکے بعد دیگرے دوبار طبع ہو چکا ہے، حال ہی میں مزید اضافات کے ساتھ ''مکتبة الکوثر'' سے اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ کتاب کے طبع ہونے اور علمی حلقوں میں عام ہونے کے بعد عرب وعجم کے کبار اہل علم نے نوجوان مقالہ نگار کی اس کاوش کو بنظر تحسین دیکھا اور مؤلف کو بلند پایہ تعریفی کلمات سے نوازا ہے، مقام شکر ہے کہ احناف کے اصولِ حدیث کے حوالے سے اُسے اب مرجعیت کا مقام مل چکا ہے، چنانچہ موضوع سے متعلق بیشتر علمی وتحقیقی مقالات میں اس کے حوالے دیئے گئے ہیں، بلا شبہ یہ مقالہ جامعہ کے ''شعبہ تخصص فی علوم الحدیث'' میں ہونے والے تحقیقی کام کی ایک عمدہ مثال ہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اس شعبے نے علوم حدیث کے میدان میں پیش رفت کے سلسلے میں نمایاں کردار کیا، معاشرے کو ماہرین علوم حدیث کی ایک کھیپ فراہم کی، ملک

وبیرون ملک کے کئی جامعات کے شعبہائے تخصص فی علوم الحدیث میں مصروفِ عمل بہتیرے اہل علم جامعہ کے اس شعبے سے ہی فیض یاب ہوکر مرجعیت کے مقام پر پہنچے، **والحمد للّٰہ علی ذلک ۔**

جامعہ فاروقیہ کراچی

جامعہ فاروقیہ میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہٗ نے ۱۴۲۵ھ میں اس شعبہ کی بنیاد ڈالی، اور مولانا نور البشر نور الحق مدظلہٗ ومولانا ساجد صدوی حفظہٗ اللہ (متخصص فی علوم الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن) کے اشراف میں ''تخصص فی علوم الحدیث'' کا شعبہ قائم کیا، اس شعبے میں لکھے گئے مقالات کی ایک فہرست ۲۰۱۰ء میں سہ ماہی تحقیقاتِ حدیث کے ایک شمارہ میں میں شائع ہوچکی ہے،(۱۳) اس کے بعد بھی کافی مقالے لکھے گئے ہیں، جن کی تفصیلات سردست سامنے نہیں، بلا شبہ جامعہ کے اس شعبے نے قلیل مدت میں نہایت قیمتی اور قابل قدر کام سامنے لائے ہیں، جن میں سے دو نمایاں مطبوعہ مقالات درج ذیل ہیں:

۱:.....''غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ'' از مولانا طارق امیر خان: محدثین کی متنوع خدمات میں سے ایک اہم خدمت موضوع روایات کو ذخیرۂ حدیث سے ممتاز کرنا ہے، اس موضوع پر بھی معتد بہ مواد حدیثی کتب خانے کی زینت ہے، پیش نظر مقالہ اسی جدوجہد کا تسلسل ہے، جس میں پاک وہند میں زبان زد عوام وخواص اٹھائیس ۲۸/روایات کی تحقیق کی گئی ہے، ابتدا میں موضوع روایات وکتبِ موضوعات سے متعلق وقیع مقدمہ ہے، یہ مقالہ مولانا نور البشر مدظلہٗ کی زیرنگرانی لکھا گیا اور ''زمزم پبلشرز'' سے طبع ہوچکا ہے، مؤلف نے تخصص سے فراغت کے بعد بھی اس نوع پر کام جاری رکھا، ان شاء اللہ! جلد ہی اس سلسلے کی دوسری جلد منظر عام پر آرہی ہے۔

۲:.....''**الجزء فی فضائل القرآن** ''از مولانا طارق امیر خان: یہ مقالہ بھی مؤلف نے جامعہ فاروقیہ میں تخصص کے دوران ترتیب دیا ہے، جس میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۸ء-۱۹۸۳ء) کی ''فضائل قرآن'' کے حدیثی فوائد کے ضمن میں آنے والی روایات کی تخریج وتحقیق کی گئی ہے، اور اب یہ کام کتابی صورت میں ''زمزم پبلشرز'' سے چھپ چکا ہے۔

دیگر مقالات میں سے چند اہم عنوانات ملاحظہ فرمائیں:

۱:.....''**تحقیق ودراسة کتاب ''إمعان النظر في توضیح شرح نخبة الفکر ''للعلامة محمد إکرام السندي النصربوري**'' مولوی کفایت اللہ بن محمد زکریا۔

۲:.....''**تحقیق ودراسة کتاب''بھجة النظر شرح شرح نخبة الفکر '' لأبی الحسن الصغیر السندي**'' مولوی محمد کاشف بن محمد یونس۔

۳:.....''**الإمام ابن ھمام وآراؤہ الأصولیة في ''فتح القدیر**'' مولوی حسین احمد۔

۴:....''**الحديث الضعيف ومدى الاستدلال به في الفضائل والأحكام**'' مولوی محمد عمران

جامعہ بنوریہ کراچی

جامعہ بنوریہ میں یہ شعبہ قائم ہوئے کچھ عرصہ گزرا ہے، اور مولانا آصف اختر حفظہ اللہ اس کے مشرف ہیں، مولانا بھی استاذ محترم مولانا چشتی مدظلہ کے فیض یافتہ ہیں۔

جامعہ اشرف المدارس کراچی

جامعہ اشرف المدارس میں قائم شعبہ ''تخصص فی علوم الحدیث'' مولانا مفیض الرحمٰن چاٹگامی کے اشراف میں قائم ہے، مولانا چاٹگامی جامعہ بنوری ٹاؤن کے متخصص اور کئی کتب کے مؤلف ہیں۔

معہد عثمان بن عفان کراچی

مولانا نور البشر نور الحق مدظلہ (استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) کے اس ادارے میں ''تخصص فی الفقہ والحدیث'' کا دوسالہ منفرد کورس چند سال سے جاری ہے، جس میں اصول افتاء وعلوم حدیث کی منتخب کتب کی تدریس ومطالعہ کے ساتھ افتاء وتخریج کی تمرین بھی کرائی جاتی ہے، مولانا مدظلہ تحقیقی مزاج ومذاق رکھنے والے پختہ عالم ومدرس اور تحقیق وتخریج کے میدان میں طویل تجربہ رکھتے ہیں، اس لیے مختصر دورانیے میں دونوں مہارتیں حاصل کرنے کے خواہش مند ذی استعداد طلبہ اس ادارے سے منسلک ہوکر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مجلس البحوث الاسلامیۃ راولپنڈی

مسجد الہلال اصغر مال اسکیم میں استاذ محترم مولانا محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہ کی سرپرستی اور جامعہ بنوری ٹاؤن کے متخصصین مولانا محمد عاصم انعام، مولانا ایوب رشیدی اور مولانا وصی اللہ حفظہم اللہ ودیگر علماء کی نگرانی میں ''مجلس البحوث الاسلامیۃ'' اور اس کے ذیلی شعبے ''تخصص فی علوم الحدیث والسنۃ'' کو قائم ہوئے کچھ عرصہ گزرا ہے، اس دوران یہاں دیگر مقالات کے علاوہ ایک نمایاں کام شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب ''فضائل اعمال'' کی تخریج کا ہوا، جواب چھپ کر عام ہوچکا ہے۔

جامعہ دارالعلوم دیوبند، ہندوستان

برصغیر کی عظیم دینی درس گاہ ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں یہ شعبہ ۱۴۲۰ھ میں قائم ہوا اور مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ اس کے نگران مقرر ہوئے، جو تاحال اشراف کے فرائض انجام دے رہے ہیں، بعدازاں مولانا عبداللہ معروفی حفظہ اللہ بھی بحیثیت معاون مشرف اس شعبے سے منسلک ہوئے، اس شعبے کے شائع شدہ چند اہم تحقیقی مقالات درج ذیل ہیں:

①:....''**الحديث الحسن في جامع الترمذي**''

②:....’’الحديث الحسن الصحيح‘‘

③:....’’الحديث الحسن الغريب‘‘

④:....’’الحديث الغريب ‘‘: یہ مقالہ مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہٗ، ہندوستان کے نامور محقق مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۱ء-۱۹۹۲ء) اور مولانا عبداللہ معروفی مدظلہٗ کی نگرانی میں شعبے کے پانچ طلبہ نے لکھا ہے، جس میں ’’جامع الترمذي ‘‘ کی ان احادیث کی تحقیق کی گئی ہے، جن کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۹ھ) نے ’’حسن‘‘ لکھا ہے، ابتدا میں انہی روایات پر کام ہوا، بعد ازاں امام موصوف کی دیگر اصطلاحات پر بھی تحقیقی کام ہوا، چنانچہ ’’حسن غریب‘‘ پر دو جلدیں، ’’حدیث غریب‘‘ پر ایک جلد اور ’’حسن غریب‘‘ پر تین جلدیں چھپ چکی ہیں، ہر جلد کی ضخامت چھ سو صفحات سے زائد ہے، یہ مکمل کام اسی شعبے میں ہوا۔

⑤:....’’حقيقة الزيادة على القرآن بخبر الواحد واستعراض علمي لإيرادات ابن القيم على الحنفية بناءً على هذا الأصل ‘‘: مقالے کے عنوان سے اس کے مباحث کی وضاحت ہوجاتی ہے، یہ کام مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہٗ کے اشراف میں تین طلبہ نے کیا اور مولانا عبداللہ معروفی حفظہٗ اللہ نے ترمیم وتہذیب فرمائی، ’’المكتبة العثمانية‘‘ دیوبند سے چھپ چکا ہے۔ (۱۴)

جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور، ہندوستان

جامعہ کی مجلس شوریٰ کی تجویز سے سنہ۱۴۱۵ھ میں اس شعبے کا قیام عمل میں آیا، اور حضرت مولانا زین العابدین اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۵۱ھ-۱۴۳۴ھ) نگران مقرر ہوئے، دوسرے ہی سال طلبہ کی تعداد میں اضافہ کی بنا پر ان کی معاونت کے لیے مولانا عبداللہ معروفی حفظہٗ اللہ کا تقرر کیا گیا، (کچھ عرصے بعد مولانا معروفی حفظہٗ اللہ کو دارالعلوم دیوبند میں طلب کرلیا گیا) ۱۴۲۱ھ میں شائع شدہ شعبے کی پانچ سالہ کارکردگی کی روداد کے مطابق اس قلیل مدت کے دوران شعبے میں انجام پانے والے نمایاں تحقیقی کام درج ذیل ہیں:

①:....’’المؤتلف والمختلف في أسماء نقلة الحديث ‘‘اور’’مشتبة النسبة‘‘ کی تحقیق وتعلیق، یہ دونوں اہم کام تخصص کے طلبا کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچے۔

②:....علامہ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب’’جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد ‘‘ کی تحقیق، یہ کام بھی مولانا زین العابدین اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے اشراف میں شعبے کے متخصصین کے ذریعے انجام پایا ہے، جو اَب چھپ کر عام ہو چکا ہے۔

ان دو اہم علمی کاوشوں کے علاوہ بھی دسیوں مقالات لکھے گئے ہیں، جن میں سے بعض زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں، سردست تفصیلات دستیاب نہ ہونے کی بنا پر ان کا تعارف پیش نہیں جا سکتا۔ (۱۵)

مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ ڈھاکہ بنگلہ دیش

یہ ادارہ بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ میں قائم ہے، جس کے شعبہ ''تخصص فی علوم الحدیث'' کے مشرف مفتی عبدالمالک (متخصص جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) ہیں، مولانا حدیث وفقہ کے پختہ ومحقق عالم ہیں، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تخصص کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی میں ''تخصص فی الافتاء'' کیا، بعدازاں اپنے استاذ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کے ایما پر عالم عرب کے محقق ومحدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۷ھ) کی خدمت میں بھی کافی عرصہ رہے، یوں مولانا نے عرب وعجم کے جہابذہ سے خوب استفادہ کیا، علوم حدیث کے مبتدئین کے لیے انہوں نے ''المدخل إلی علوم الحدیث الشریف'' کے نام سے ایک مفید کتاب ترتیب دی ہے، اور عرصہ سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ''نزھة النظر شرح نخبه الفکر'' کی شرح وتعلیق میں مشغول ہیں، بنگلہ دیش میں مولانا جیسی محدثانہ وفقیہانہ مزاج کی حامل شخصیت کا وجود نعمت سے کم نہیں۔

یہاں علوم حدیث میں اختصاص سے متعلق چند شعبوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے بارے میں کسی قدر معلومات مہیا ہوسکی ہیں، استیعاب ممکن تھا نہ مقصود، بلاشبہ ان کے علاوہ بھی اندرون وبیرون ملک کئی اداروں میں ''تخصص فی علوم الحدیث'' کے شعبے قائم ہیں، جن سے فضلائے کرام حسب مناسبت استفادہ کرسکتے ہیں۔

ایک گزارش علوم حدیث کے متخصصین سے

اس مقام کی مناسبت سے ''متخصصین فی علوم الحدیث'' سے خصوصاً اور دیگر اہل اختصاص کی خدمت میں عموماً ایک برادرانہ وخیرخواہانہ گزارش پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ کسی بھی علم وفن کے ساتھ مناسبت کی بقا کے لیے اس کا دائمی ومربوط مطالعہ ضروری ہوتا ہے، اختصاصی مہارت حاصل کرلینے کے باوجود ربط وتسلسل نہ رہنے کی بنا پر برسوں کی محنت (اکارت کہنا تو مناسب نہ ہوگا کہ فی الجملہ افادیت سے انکار بھی نہیں، کہا جاسکتا ہے کہ اختصاصی صلاحیت) ہوا ہوجاتی ہے، اس رویے سے بعض اوقات جزئیات تو درکنار، فن کے بنیادی اصول وکلیات بھی ذہن سے اوجھل ہوجاتے ہیں اور عمومی مشاہدے کی رو سے بھی یہ عین فطری معاملہ ہے، امام فن جرح وتعدیل ومحدث جلیل القدر امام عبدالرحمٰن مہدی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۸ھ) کا مقولہ ہے:

> ''إنما مثل صاحب الحدیث بمنزلة السمسار، إذا غاب عن السوق خمسة أیام تغیَّر بصرُهٗ۔''(۱۶)
>
> ''حدیث کا طالب علم دلال (ہمارے عرف میں بجائے اس کے ''منی چینجر'' کہہ لیجیے) کی مانند ہوتا ہے، چند روز بھی مارکیٹ سے دور رہے تو فنی بصیرت (اور پیشہ ورانہ مہارت) میں فرق آجاتا ہے۔''

چند روز کی غیبوبت سے اتنا تغیر آجاتا ہے تو فنی مطالعہ کے بالکلیہ ترک کی صورت میں اختصاصی استعداد کا کیا حشر ہوگا؟! ایسے میں مسلسل مطالعہ وتحقیق کے عمل سے جڑے بنا خود کو متخصص باور کراتے رہنا خام خیالی ہی کہی جاسکتی ہے، یوں ہم عوام کو تو مطمئن کر سکتے ہیں، لیکن ضمیر کی عدالت میں جواب دہی سے عاجز رہیں گے۔ امام احمد بن حنبل شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۱ھ) سے ایک موقع پر دریافت کیا گیا: حدیث کی طلب کب تک جاری رکھنی چاہیے؟ فرمایا: ''موت تک۔'' (۱۷) گویا حقیقی متخصص وہی ہے جو تحقیق ومطالعہ کے سفر میں کسی مقام پر قناعت کے بجائے فن کے ساتھ دائمی ربط قائم رکھے۔

مآخذ ومراجع

۱...... عجالة المبتدي وفضالة المنتهي في النسب، ص: ۳، المطبعة الأميرية بالقاهرة ، امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ''مقدمہ'' میں پینسٹھ (۶۵) انواع ذکر کی ہیں، جبکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر کتب سے جمع کر کے اپنے اضافات کے ساتھ ''تدریب الراوي'' میں چورانوے (۹۴) انواع ذکر کی ہیں۔

۲......سنن الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبلؓ، ج:۲،ص:۶۹۹، رحمانیہ۔

۳......مراتب العلوم لابن حزمؒ ضمن مجموع رسالاته، ج:۴،ص:۷۷،۷۸۔

۴......جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبرؒ ،باب إثبات المناظرة والمجادلة وإقامة الحجة،ص: ۳۳۵، رقم:۹۴۳، دار ابن حزم ۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶ء۔

۵...... الفتاوی الحديثية،ص: ۳۲۸، قدیمی کتب خانہ کراتشی۔

۶......التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة،ص:۳۱، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب سوریا، ۱۴۳۶ھ-۲۰۰۵ء۔

۷......صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب من أقسم على أخيه ليفطر فى التطوع،۱:۲۶۴، قدیمی۔

۸......تخصص حدیث شریف، تعارف، اصول وضوابط، ص: ۲۷، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، انڈیا۔

۹...... ایضا، ص: ۲۵۔ ۱۰...... ایضا، ص: ۲۳۔

۱۱......تحقیقات حدیث، شمارہ: ۲، بابت محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بمطابق جنوری ۲۰۱۰ء۔

۱۲......ششماہی السیرۃ شمارہ: بابت ۶ و ۷، رمضان ۱۴۲۲ھ اور ربیع الاول ۱۴۲۳ھ۔

۱۳......تحقیقاتِ حدیث، شمارہ: بابت رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ستمبر ۲۰۰۸ء۔

۱۴...... یہ مقالات تا حال ہمارے ملک میں عام نہیں ہوئے، دارالعلوم دیوبند کے شعبہ ''تخصص فی علوم الحدیث'' اور مذکورہ مقالات کے متعلق یہ معلومات مولانا عبید انور بن مولانا نسیم اختر شاہ قیصر (متخصص فی علوم الحدیث دارالعلوم دیوبند) نے عنایت فرمائیں، جزاه الله خيرًا۔

۱۵...... مذکورہ معلومات رسالہ ''تخصص حدیث شریف، تعارف، اصول وضوابط، مطبوعہ: جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، انڈیا'' سے حاصل کی گئی ہیں۔

۱۶......الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب، باب دوام المراعاة للحديث والمذاكرة به واتقاء الفتور عنه ، ص:۴۱۳، رقم:۱۹۰۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ء ۔

۱۷......شرف أصحاب الحديث للخطيب، ج:۲،ص: ۱۲۸، رقم: ۱۳۵، مکتبۃ ابن تیمیۃ القاھرۃ۔

اجتماعی بیان کی نزاکت اور ضروری احتیاط

پروفیسر عبدالرؤف

بعض مقرر اور مبلغ اپنے جذبے کے تحت عوام کے اجتماع میں بیان کرتے ہوئے ایسے مشکل اور نازک موضوع کا بھی ذکر کرتے ہیں جس کے کافی دوررس اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں، ایسا بیان کرتے ہوئے شاید اُن کا دھیان اس پہلو کی طرف جانے سے رہ جاتا ہے کہ اس طرح کے موضوع پر بیان کرنے سے عوام میں عقائدِ اسلامیہ کے بارے میں کئی قسم کی اشکالات پیدا ہوں گے، چنانچہ اسی بارے میں غور وفکر کے لیے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

①.....عوام کے اجتماع میں تقریر اور بیان کا بنیادی مقصد دین کا شوق اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہوتا ہے، اس کے لیے قرآن وحدیث، ان کی تفاسیر وشروح میں انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور دیگر اکابر کی بے شمار آسان، واضح، صحیح اور مستند باتیں موجود ہیں، جن کو عام آدمی سمجھ جاتا ہے، لیکن اگر نازک اور مشکل باتیں، مثلاً ایسا موضوع جس کا براہِ راست واضح تعلق صحابہ کرامؓ کے درمیان پیش آنے والے باہمی اختلافات سے ہو اور جس کی بنیاد پر اسلامی فرقے وجود میں آئے ہوں' بیان کیا جائے گا تو بجائے دین کا شوق پیدا ہونے کے ذہن میں اشکالات اور الجھنیں پیدا ہوں گی۔

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ''ادع إلٰی سبیل ربک'' کے تحت فرماتے ہیں:

''نصیحت سے مراد عنوان بھی نرم ہو......حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعہ انسان مقتضیاتِ احوال کو معلوم کرکے اس کے مناسب کلام کرے۔ اصولِ دعوت دو چیزیں ہیں: حکمت اور موعظت جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہو۔'' (معارف القرآن ج:۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ''تفسیر عثمانی'' میں فرماتے ہیں:

''حکمت سے مراد ہے نہایت پختہ اور اٹل مضامین، موعظت حسنہ، لوگ ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بے تابانہ دوڑنے لگتے ہیں، جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ ممکن نہیں۔ حدیث میں ارشاد مبارک ہے: ''لوگوں پر آسانی کرو، دشواری پیدا نہ کرو۔''

②.....کوئی بات، واقعہ یا شخصیت کتنی ہی بلند و بالا، عظمت شان والی اور اہم کیوں نہ ہو اس کا ذکر و بیان موقع محل کی مناسبت سے کیا جائے تو مفید ثابت ہوتا ہے، ورنہ اختلاف و انتشار کے امکانات بھی پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس اصول کا خاص طور پر تبلیغی جماعت میں تو غیر معمولی اہتمام کیا جاتا ہے۔ نماز اسلام کا بنیادی رکن اور اہم ترین فرض ہے، جس کے فرائض و واجبات اور دیگر ضروری مسائل کا سیکھنا بھی فرض ہے، لیکن اس کے بارے میں بھی اتنی زیادہ احتیاط کی جاتی ہے کہ بارہ تیرہ آدمیوں پر مشتمل جماعت میں وقت لگانے کے دوران اجتماعی تعلیم میں اختلاف پیدا ہونے کے خدشہ کے پیش نظر بنیادی فرائض کے مسائل سیکھنے یا مذاکرے سے منع کیا جاتا ہے، چنانچہ پرانے تبلیغی بزرگ عالم مولانا محمد عمر پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ جماعتوں کی روانگی کے وقت ہدایات دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہماری اس تعلیم میں فضائل کی تعلیم ہوتی ہے، اس سے شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا، چونکہ مسائل میں اختلاف ہے، اس لیے اجتماعی تعلیم میں مسائل کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ سارے ہی حنفی ہوں تو بھی مسائل بیان کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ جماعت میں اکثر عوام ہوتے ہیں، غلط مسائل بتانے لگیں گے، اگر مسائل بیان کرنا شروع کیے تو اختلاف ہوجائے گا اور کام نہیں ہوگا۔''

اسی طرح کوئی بھی اور کتاب نہ پڑھنے اور صرف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی تصنیف کردہ فضائل کی کتابیں پڑھنے کی بھی یہی حکمت (سخت انتشار، تنازع اور کشمکش کا خدشہ) بتائی جاتی ہے۔

③.....اوپر بتائی گئی تبلیغی اکابر کی اتنی غیر معمولی احتیاط کے ہوتے ہوئے ایسے موضوع کو بیان کرنے کی گنجائش کس طرح پیدا ہوسکتی ہے جس کا براہِ راست واضح تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین بہترین زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے عظیم فقیہ، مجتہد اور مفسر اکابر صحابہ کرامؓ، کبار تابعینؒ اور صلحاء کے دور میں پیش آنے والے اجتہادی اختلاف سے ہو اور جس موضوع کو حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خلیفہ مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ محمودیہ، ج:۴، ص:۸۰ پر ''اجتہادی چیز'' قرار دیا ہو۔ (مزید دیکھئے: صفحہ:۳۴، ۳۵ پر)

④.....اُمت کے اکابر علماء جب بھی کسی ایسی حدیث یا تاریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے اختلافات یا نزاع کا پتہ چلتا ہو تو وہ اختلاف والی بات ذکر کرنے کے بعد اس کی تشریح و توضیح اس طرح بیان کردیتے ہیں کہ ہر ہر صحابیؓ کا احترام اور تقدس باقی رہے اور کوئی بات اس طرح نہ بیان ہوجائے کہ ایک صحابیؓ کی تو فضیلت ظاہر ہو، مگر دوسرے صحابیؓ کا مقام و مرتبہ مجروح ہو، مثلاً ''شمائل ترمذی'' میں جب ''باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا ذکر'' کے سلسلے میں حدیث بیان کی گئی تو اس حدیث کے طویل قصے کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد

زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آپس میں جھگڑنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر کے سلسلے میں پیدا ہونے والے اشکالات (چندضروری ابحاث) کے جوابات دیتے ہوئے تینوں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی اپنی جگہ حق بجانب ثابت کیا۔

اس طریقے سے ہٹ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف میں اگر صرف ایک اجتہادی رائے کو تو خوب کھول کھول کر اس انداز سے بیان کیا جائے گا اور ہر طرح کے فضائل ومناقب بھی بیان کیے جائیں گے کہ گویا اسلام اور حق اسی طرف تھا اور اسلام اسی پر موقوف تھا، اس کے علاوہ سب کچھ باطل تھا اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری اجتہادی رائے کا کوئی ذکر نہیں ہوگا، جبکہ معاملہ بھی ایسا نازک ہو کہ مقتضیاتِ احوال کے تحت ذکر کرنا بھی ضروری ہو تو ایسا کرنے کے نتائج واثرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۵.....صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات (مشاجراتِ صحابہؓ) کے نازک اور مشکل موضوع پر تو بڑے بڑے ائمہ اسلام بھی گفتگو سے اجتناب کی کوشش کیا کرتے تھے۔ مشہور تابعی اور بڑے عالم وفقیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد اگر چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی قتال کے سلسلے میں ہے، لیکن اس کا ذکر یہاں بھی موزوں اور مناسب ہے کہ:

''جس معاملہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ کی خوشنودی چاہی تھی۔'' (مقام صحابہؓ، ص:۹۵، حضرت مولانا مفتی شفیعؒ کی زندگی کی غالباً آخری تصنیف جو آپ نے تاریخی روایات کی بنیاد پر عائد کیے گئے الزامات کے ردعمل میں اصولی بحث کرتے ہوئے جواب کے طور پر تحریر کی)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہٗ نے بھی تقریباً اسی سال ۱۳۹۱ھ میں اسی موضوع پر ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق'' تحریر کی، چنانچہ وہ ''بحث کیوں چھیڑی گئی؟'' کے عنوان کے تحت ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ بحث کو جامع اور کافی قرار دینے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

''ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس بحث میں مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دریائے خون سے نہایت سلامتی سے گزرے ہیں۔ پھر مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ زمانے میں اس مسئلے کی کھود کرید کو انتہائی مضر قرار دیتے ہوئے تاریخ اسلام اور خاص طور پر مشاجرات صحابہؓ والے حصہ کی تحقیق کے کام سے احتراز کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔'' (ص:۱۴،۱۶)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ شاید اپنے مقام ومرتبہ کا تقاضا سمجھتے ہوئے باامر

مجبوری نازک موضوع پر تحقیقی مقالہ (چھوٹی کتاب) تحریر کرکے آخری گزارش میں فرماتے ہیں کہ: ''اگر یہ نہ چھیڑا جاتا تو جونقول پیش کی گئیں ان کے پیش کرنے کی کبھی نوبت نہ آتی۔''

اور پھر یہ بھی فرماتے ہیں:

''ہم اصل حقیقت کو سمجھ کر خاموشی اختیار کرنے ہی کو معقول جذبہ سمجھیں گے۔''

جبکہ عام اجتماع کی نسبت کتاب تو بہت ہی محدود تعداد میں دلچسپی رکھنے والے لوگ ہی پڑھتے ہیں۔غور طلب امر یہ ہے کہ جس مشکل موضوع کو چھیڑنے سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے علماء وفقہاء ڈرتے ہوں اورسکوت اور خاموشی اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوں اور جس موضوع پر علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق مؤرخ کی کی گئی بحث کو''دریائے خون سے نہایت سلامتی سے گزرنا'' کہا گیا ہو، اس طرح کے موضوع کو اگر ہزاروں لوگوں کے اجتماع (اور پھر جدید الیکٹرانک سہولیات کی وجہ سے کروڑوں لوگوں) میں بیان کیا جائے گا تو اس سے کس کس طرح سے اشکالات اور الجھنیں پیدا ہوں گی!!! اس کا اندازہ باآسانی کیا جاسکتا ہے اور پھر مستقل طور پر ایسے کچھ مذہبی گروہ موجود ہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر انتہائی سنگین الزامات عائد کرتے ہیں، چنانچہ اس بات سے پریشان ہوکر مولانا محمد تقی عثمانی زیدمجدہٗ نے حدیث نقل کرکے بڑی دردمندی سے تحریر کیا کہ:

''میرے صحابہؓ کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، میرے بعد ان کو اعتراضات کا نشانہ مت بنانا''، ہم سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادگرامی کا واسطہ دے کر یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان کو پیش نظر رکھ کر ان کے صحیح موقف کو ٹھنڈے دل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔'' (ایضاً،ص:۱۰۶)

⑥.....دینی اعمال کا شوق پیدا کرنے کے لیے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے''فضائل اعمال'' (چھوٹی چھوٹی کتابوں کا مجموعہ،تبلیغی نصاب) تصنیف کی، اس میں دوسوصفحات پر مشتمل ایک کتاب''حکایاتِ صحابہؓ'' ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خصوصیات اور حالات وواقعات بیان کیے گئے ہیں، جن میں''دین کی خاطر سختیاں برداشت کرنا اور تکالیف ومشقت جھیلنا'' اور''بہادری، دلیری اور موت کا شوق'' کے عنوانات کے تحت جہاد میں شوق وجذبے سے لڑتے لڑتے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور شہید ہوجانے کے بھی کافی واقعات ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ''فضائل اعمال'' میں ان واقعات کے بیان سے اجتناب کی کوشش کی گئی ہے، جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات کی کوئی بحث شروع ہوکر اشکالات کا سبب نہ بنے۔تبلیغی جماعت کے اکابر مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا محمد انعام الحسنؒ، مولانا محمد عمر پالن پوریؒ، مولانا سعید احمد خانؒ، مفتی زین العابدینؒ، مولانا محمد اسلم رحمہم اللہ اور دیگر تمام حضرات بھی اجتماع میں اسی انداز سے بیان کرتے تھے۔

۷..... ہر مذہبی رسم، طریقہ، عنوان، انداز کے پس پردہ کوئی فکر، سوچ، عقیدہ یا نظریہ موجود ہوتا ہے، اس عنوان وانداز کو اختیار کرنے کی وجہ سے وہی فکر اور عقیدہ بھی زندہ ہوتا اور فروغ پاتا ہے، تشبہ سے ممانعت کے حکم کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے، تشبہ کے بارے میں کچھ اس طرح کی بات حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ''شمائل ترمذی'' میں نفلی روزہ کی فضیلت کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کی ہے۔ (ص:۳۱۳، حدیث نمبر:۱۲ کے تحت)

۸..... یونیورسٹیز اور کالجز کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ایسے حضرات جو دین سے کچھ دور ہو چکے ہیں اور ان کے ذہن میں دین کے بارے میں اشکالات پیدا ہو چکے ہیں (جن کو سیکولرز یا دین سے بیزار بھی کہہ دیا جاتا ہے) یہ بات بڑی قوت سے اور کثرت سے کرتے رہتے ہیں کہ اسلام کا نظام کتنے عرصے چل سکا اور ساری منفی باتیں اور ان سے منفی مطالب نکال کر کہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ پڑھ کر تو دیکھیں، خونی جنگوں سے بھری پڑی ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر دین کا بیان کرنے والا خود ہی اسی قسم کا واقعہ بیان کرے گا تو گویا ان کے اشکالات میں اضافہ ہی کرے گا۔ یہ صحیح ہے کہ اعتراضات کرنے والے تو اعتراضات کرتے ہی رہتے ہیں، لیکن اتنی تدبیر تو کی جاسکتی ہے کہ کم از کم خود تو ایسی مشکل اور نازک باتیں نہ چھیڑی جائیں جو ایسے اشکالات پیدا کرنے میں تقویت کا ذریعہ بنیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

علماء اور مشائخ کی نظر میں (پہلی قسط)

جناب نعمان محمد امین

اپنی کم علمی، لکھنے کے ہنر سے ناواقفیت اور الفاظ کے چناؤ سے نابلد ہونے کے باوجود آج جس شخصیت کے لیے قلم اٹھایا ہے وہ تاریخ اسلامی کا کوہِ بلند و بالا پہاڑ ہے، جس نے کم سے کم برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو اس کی اصل صورت میں قائم رکھا۔ جس طرح اللہ رب العزت نے پہاڑ اس لیے بنائے ہیں کہ وہ زمین کو تھامے رہیں، اسی طرح اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسلام کو اس خطے میں جمانے کے لیے بھیجا تھا۔

اپنی زندگی کے پچاس سال پورے کرنے سے پہلے ہی اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام سے کتنے ہی اہم کام لیے، جن میں انگریز سامراج کے خلاف جہاد، اسلام پر اعتراضات کرنے والے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے مناظرے، دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم و عالی شان درس گاہ کا قیام، اس کے علاوہ حضرتؒ کی قیمتی تصانیف جو ردِّ شیعیت، ردِّ بدعات، ردِّ غیر مقلدیت کے علاوہ قرآن وحدیث کے بے شمار اسرار و رموز کو کھولنے والی تحریرات بھی آپ کی خدمات کا حصہ ہیں۔

اتنی کم عمر میں دین اسلام کی اتنی خدمات پر علامہ اقبال مرحوم کے یہ اشعار ذہن میں آجاتے ہیں:

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور ان کی بلند پایہ شخصیت کے بارے میں اپنے اور پرائے جن علماء و مشائخ نے جو کچھ کہا، جو میرے بہت ہی محدود مطالعے میں ہے، وہ ان سطور میں درج کررہا ہوں کہ یہ خراجِ عقیدت ہے حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، الامام محمد قاسم النانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

۱- شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شیخ ہیں، اپنے مرید حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے متعلقین سے فرماتے ہیں:

''اور جو شخص اس فقیر سے محبت وعقیدت وارادت رکھے، مولوی رشید احمد سلمہٗ گنگوہی اور مولوی محمد قاسم سلمہٗ نانوتوی کو کہ تمام کمالاتِ ظاہری و باطنی ان میں موجود ہیں، راقم (حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی جگہ سمجھے، بلکہ مجھ سے فائق المدارج جانے، اگرچہ ظاہری معاملہ برعکس ہوگیا کہ میں ان کی جگہ اور وہ میری جگہ ہوگئے، اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں''۔ (ضیاء القلوب، ص:۱۰۰)

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں میری جگہ ہونا چاہیے تھا، یعنی وہ میرے شیخ ہوتے اور اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں، یہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبے اور مقام کو واضح کرتا ہے۔

۲-حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لائے؟ تو میں قاسم اور رشید کو پیش کردوں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔'' (معارف الاکابر، ص:۲۳۵)

۳-حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کہ:

''حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چناں چہ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ لسان عطا ہوئے تھے، جنہوں نے حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا، اسی طرح مجھے مولوی قاسم صاحب لسان عطا ہوئے ہیں۔'' (قصص الاکابر، ص:۵۷، امداد المشتاق، ص:۱۶)

۴-ایک بار حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور ان کے مناقب بیان ہو رہے تھے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ:

''مولانا اسماعیلؒ تو تھے ہی، کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے۔'' (ارواحِ ثلاثہ، ص:۲۰۴)

۵-حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے خط کے جواب میں جو جملہ لکھا تھا وہ بھی پڑھنے والوں کی نظر!

''اور شکر کریں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک ولی کامل بیٹا عطا فرمایا ہے۔'' (انوار قاسمی، ص:۲۰۱)

۶-حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی بار حج پر گئے تھے اور وہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تھی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔'' (انوارِ قاسمی، ص:۵۵۰)

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں ایسے کلمات ادا کرنا، اس مرید کی قدر ومنزلت کو واضح کرتا ہے۔

حضرت مولانا مہتاب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۷- یہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے اور حضرت کے پڑھنے کے زمانے میں ہی انہوں نے اپنے شاگرد کا نام ''علم کی بکری'' رکھ دیا تھا۔ (سوانح قاسمی، جلد:۱،ص:۱۹۲)

حضرت مفتی صدرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۸- ان کا شمار بھی حضرت کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ایک موقع پر مفتی صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''قاسم بہت ذہین آدمی ہے، اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا''۔ (سوانح قاسمی، جلد:۱،ص:۲۶۶)

اساتذہ کا اپنے شاگرد کے بارے میں یہ بیان بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔

مولانا محمد امین احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۹- یہ غالباً حضرت کے ہم عصر علما میں سے تھے اور مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے جدِّ امجد تھے، وہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس کی تقریر ہو رہی ہے۔'' (سوانح قاسمی، جلد:۱،ص:۳۹۲)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰- حضرت شیخ الہندؒ اپنے استاذ حجۃ الاسلامؒ کے درس سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''جب استاذؒ (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) سے کوئی بات پوچھی جاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلے کے تمام دلائل اکرام سے ہاتھ جوڑے ہوئے حضرتؒ کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں۔'' (سوانح قاسمی، جلد۱،ص:۳۴۳)

مولوی نقی علی والد احمد رضا خان بریلوی

۱۱- مولوی احمد رضا بریلوی جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بغض، نفرت، حسد، عداوت، کینہ رکھنے میں سب سے اوّل ہیں، جنہوں نے دھوکہ، فریب اور مکاری سے علمائے عرب سے حضرت کے خلاف کفر کا فتویٰ لیا اور اس کی تشہیر کی، انہی کے والد مولوی نقی علی صاحب لکھتے ہیں:

مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی علمائے دین اور مؤمنین صادقین میں سے ہیں۔'' (ملخصاً تحفۃ المقلدین،ص:۱۵،مطبوعہ: صبح صادق پریس، سیتاپور)

حکیم برکات احمد خیرآبادی

۱۲- حکیم برکات احمد خیرآبادی اپنے صاحب زادے حکیم محمد احمد برکاتی سے فرماتے ہیں:

’’مجھے ان (حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) سے ملانے کے لیے (والد صاحب حکیم دائم علی خیرآبادی) دیوبند لے گئے، جب ہم پہنچے تو (مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) چھتہ کی مسجد میں سورہے تھے، مگر اس حالت میں بھی ان کا دل ذاکر تھا اور ذکر بھی بالجہر کررہا تھا۔‘‘

(سوانح حیات حکیم سید برکات احمد، ص: ۱۸۵)

مولانا معین الدین اجمیری

۱۳- جب مولانا معین الدین اجمیری سے ا:...حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، ۲:...مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، ۳:...مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، ۴:...مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ۵:...شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

’’یہ حضرات مسلمان اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔‘‘ (براءۃ الابرار، ص:۲۰۹)

جب مولوی احمد رضا صاحب بریلوی نے علمائے دیوبند خصوصاً مندرجہ بالا پانچ بزرگوں پر کفر کا فتویٰ لگایا تو مولانا محمد عبدالرؤف خان جگن پوری نے ۱۹۳۱ء میں پورے ہندوستان میں علماء اور مشائخ سے فتویٰ طلب کیا کہ کیا حقیقتاً یہ پانچ بزرگ کافر ہیں؟ تو اس کے جواب میں علمائے دیوبند کے حق میں ۱۴۰ رفتاویٰ اور ان پر ۶۱۶ رعلماء اور مشائخ کی تصدیقات کے ساتھ ان تمام فتاویٰ جات کو ۱۹۳۴ء میں ’’براءۃ الابرار عن مکائد الاشرار‘‘ ملقب بہ ’’قہر آسمانی برفرقہ رضا خانی‘‘ کے نام سے چھاپ دیا تھا۔ یہ تمام فتاویٰ جات کو ۲۰۱۲ء میں تحفظ نظریات دیوبند اکادمی دوبارہ چھاپ کر اس نایاب کتاب کو منظر عام پر لے آئی ہے۔

خواجہ قمر الدین سیالوی

۱۴- خواجہ قمر الدین سیالوی فرماتے ہیں:

’’میں نے تحذیر الناس کو دیکھا ہے، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ درجے کا مسلمان سمجھتا ہوں، مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کا نام موجود ہے، خاتم النبیینؐ کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا دماغ پہنچا ہے، وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی، قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔‘‘ (ڈھول کی آواز، ص:۱۱۷)

مولوی دیدار علی شاہ

۱۵- مولوی دیدار علی شاہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

’’مولانا و استاذنا رئیس المحدثین مولانا محمد قاسم صاحب مغفور حضرت مولانا احمد علی

صاحب مرحوم ومغفور محدث سہارن پوری کے فتویٰ اجوبہ سوالات خمسہ کی نقل زمانِ طالب علمی میں کی ہوئی احقر کے پاس موجود ہے۔'' (رسالہ تحقیق المسائل، ص:۳۱)

سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ

۱۶- مولانا محمد سعید صاحب مری والے بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں حضرت پیر صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص آیا اور اس نے دریافت کیا: آپ مولوی قاسم صاحب کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں؟ حضرت پیر صاحبؒ نے جواباً فرمایا: تم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھتے ہو؟ سائل نے عرض کیا: جی ہاں، انہی کے متعلق۔ حضرت پیر صاحبؒ نے فرمایا: ''وہ حق کی صفت، علم کے مظہر اتم تھے۔'' (اسوۂ اکابر، ص: ۲۸-۲۷)

حافظ محمد حسین مراد آبادی

۱۷- حافظ محمد حسین مراد آبادی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور آپ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت قریب سے دیکھا ہے، وہ حضرت نانوتویؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت حاجی (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) خانۂ خدا اور زائر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قصبۂ نانوتہ کے اکابر صدیقی شیوخ سے ہیں۔ عالم، متقی و ربانی و حقانی اور واقفِ اسرار، شریعت وطریقت ہیں۔'' (انوار العارفین، ص:۵۲۴)

حضرت مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ

۱۸- حضرت مولانا سید عبدالحی والد ماجد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) بہت ہی زیادہ زاہد اور عبادت گزار تھے، ذکر اور مراقبہ کا بھی بہت ہی کثرت سے اہتمام کرتے تھے اور علماء وفقہاء کے علامتی لباس یعنی عمامہ اور جبہ وغیرہ سے پرہیز کرتے، تاکہ آپ لوگوں پر مخفی رہیں۔ اس زمانے میں آپ نہ کوئی فتویٰ دیتے، نہ ہی کوئی وعظ کہتے، بلکہ صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر اور مراقبے میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہتے، یہاں تک کہ ان کی برکت سے آپ پر حقایق ومعارف کے دروازے کھل گئے''۔ (اقتباس الاعلام [نزھۃ الخواطر])

(جاری ہے)

مفتی احتشام الحق آسیا آبادی شہید رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیعؒ ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے شاگرد رشید، مکران ڈویژن صوبہ بلوچستان کے مفتی اعظم، امن کمیٹی مکران ڈویژن کے رکن، وفاق المدارس العربیہ مکران ڈویژن کے مسئول وناظم، جامعہ رشیدیہ آسیا آباد کے بانی ورئیس، ہزاروں علماء کے استاذ حضرت مولانا مفتی احتشام الحق آسیا آبادیؒ اوران کے بیٹے حضرت مولانا شبیر احمدؒ کو ۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز اتوار بعد نماز عصر ظالم قاتلوں نے فائرنگ کرکے شہید کردیا۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ماأعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

حضرت مولانا مفتی احتشام الحق آسیا آبادیؒ ۱۳؍ربیع الاول ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۲؍نومبر ۱۹۴۸ء کو ضلع کیچ، تربت کے دور افتادہ گاؤں آسیا آباد میں ایک کسان کے گھر پیدا ہوئے۔ جس علاقے میں مفتی صاحب شہیدؒ نے آنکھ کھولی وہاں ہر طرف جہالت ہی جہالت تھی، یہاں تک کہ جنازہ پڑھانے والے نہ ہونے کی وجہ سے کتنے لوگ بغیر جنازہ کے دفنائے گئے، مفتی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد کسان پیشہ تھے، اکثر ان کی گزر بسر کھیتوں ہی پر تھی۔

آپؒ نے ابتدائی تعلیم آسیا آباد کے پرائمری اسکول سے حاصل کی، ساتھ ساتھ محلے کے دین دار شخص ملا محمد مراد سے قرآن کریم بھی پڑھا۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد مڈل اسکول نظر آباد میں داخلہ لیا، مڈل پاس کرنے کے بعد باقاعدہ دینی تعلیم کے لیے جامعہ مفتاح العلوم سورو پنجگور میں داخلہ لیا، جامعہ مفتاح العلوم سورو پنجگور میں دو سال کے عرصے میں تین سال کی کتب پڑھ لیں۔ موصوف کو مطالعہ کا شوق تو شروع ہی سے تھا، پھر جامعہ مفتاح العلوم سورو میں آپ کی رہائش کتب خانہ میں ہوتی تھی تو مطالعہ کا شوق مزید اُبھرا۔ پنجگور میں پڑھائی کے دوران کسی استاذ نے مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کا تذکرہ کیا تو مفتی شہیدؒ نے بذریعہ خط وکتابت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ سے رابطہ کیا اور خواہش پر اعلیٰ تعلیم کے لیے کراچی تشریف لے آئے، کراچی میں سب سے پہلے مفتی رشید احمد لدھیانویؒ سے ملاقات کی۔ حضرت مفتی رشید احمدؒ کے مشورے سے جامعہ دار العلوم کراچی میں داخلہ لیا۔ دار العلوم کراچی میں تعلیم کے دوران ہر جمعہ اور شب

جمعہ کو حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی قدس سرہٗ کا وعظ سننے کے لیے ان کی مسجد میں جایا کرتے تھے۔ شرح جامی کے سال میں مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے آپ کو افتاء کی مشق شروع کرادی تھی۔ ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم کراچی سے فراغت کے بعد باقاعدہ دارالافتاء والارشاد میں تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا، وہیں مفتی رشید احمدؒ کے زیرِسایہ ہزاروں مسائل اور چوبیس سے زائد مقالے تحریر کیے۔ تخصص کے دوران عشاء کے بعد گیارہ بجے رات تک حضرت مفتی رشید احمد قدس سرہ کے گھر میں بیٹھ کر کسبِ فیض کیا۔ جس زمانے میں جیکب لائن کے مفتی اکملؒ حادثے کی وجہ سے صاحبِ فراش تھے، اس زمانے میں جیکب لائن کے مسائل حضرت اقدس مفتی رشید احمدؒ کو بھیجے جاتے اور مفتی شہیدؒ جواب لکھ کر حضرت اقدس کو دکھا کر بغیر تصدیقی دستخط کیے جہانگیر روڈ میں حضرت اکمل صاحب سے تصدیق کرا کر مہر لگوا کر سائل تک مسئلہ بھیج دیتے۔

تخصص کے بعد اپنے استاد خاص مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے حکم و ارشاد سے علاقے میں آئے اور وہیں ۱۸؍شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۶؍اکتوبر ۱۹۷۶ء میں جامعہ رشیدیہ آسیا آباد کا سنگ بنیاد رکھا اور وہاں شروع ہی سے سال اول سے افتاء اور قضا کا عملی کام شروع کردیا، اس وقت پورے مکران ڈویژن میں باقاعدہ فقہ اسلامی کا کوئی متخصص نہیں تھا۔ تعلیم کے حصول سے فراغت کے بعد ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں پیلو کے ایک درخت کے نیچے جامعہ رشیدیہ کی تاسیس کے ساتھ تدریس شروع کی اور سب سے پہلے جامعہ میں قرآن مجید کی تعلیم کی ابتدا کی۔ مولانا حافظ خداداد کو سب سے پہلا سبق پڑھایا، اس وقت سے لے کر شہادت کے دن تک جامعہ میں تدریس کرتے رہے، درمیان میں پانچ چھ مہینے جامعۃ الرشید کراچی میں بھی تدریس کی اور شہادت کے دن عصر کے بعد آخری سبق پڑھایا اور تقریباً پینتالیس منٹ نہیں گزرے تھے کہ حضرت کی شہادت کی دردناک خبر آئی۔ سیاست ملکی میں مفتی شہید کا ایک حصہ تھا۔ اپنے استاد و مرشد کے ارشاد پر جمعیت علماء اسلام پاکستان میں عملاً کام کیا اور ایک لمبے عرصے تک جمعیت علماء اسلام تربت ضلع کے امیر رہے۔ علاقے میں سیاست اور مذہب کے جداگانہ حیثیت کے نظریئے کے پرچار کا تدارک کیا اور ایک وسیع مذہبی سیاسی حلقے کی ترویج کی، کیونکہ اس کے مطابق سیاست مفادات کا نہیں، بلکہ خدمت خلق کا نام تھا، جس کا اسلام سے بڑھ کر کوئی داعی نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت مفتی شہیدؒ نے دوسری دینی خدمات کے ساتھ ساتھ تالیفات وتحریرات کے میدان میں بھی توجہ دی۔ مختلف موضوعات پر کئی کتابیں تحریر فرمائیں اور کئی کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔ ذکری فرقے کی تردید میں: ذکری دین کی حقیقت، ذکری مذہب کے عقائد واعمال اور ماھی الذکریۃ؟ کے نام سے کتابیں لکھیں۔ تعلیم الاسلام، اربعین نووی، عقیدۃ الطحاوی کا بلوچی زبان میں ترجمہ کیا۔ اصول الشاشی کی تسہیل وتلخیص بھی کی۔ مدارۃ الناس اور کتاب الیقین کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح بلوچی زبان میں چت وچینک، مات وپت ءحق، عالمگیریں مذہب، کتاب الصبر بھی تحریر فرمائے، اردو میں آپ کا شعری مجموعے کا کچھ حصہ ''کلام آسی'' کے نام سے بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کے عربی و فارسی اشعار پر

مشتمل مجموعہ ’’افکارِ آسی‘‘ مکمل اور قریب الاشاعت ہے۔ حضرت کی دیگر کتب میں ’’فتنوں کی دنیا‘‘ اصول افتا پر لکھی گئی تمرینی کتاب ’’اصول الافتاء‘‘ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریاتی پہلو، فتنۂ انکارِ حدیث پر ایک طائرانہ نظر، **الباقیات الصالحات**، **الجواب الشافی**، فکر ونظر، درسِ حدیث، درس قرآن اور **التحقیق الأنیق بتوفیق الغفار فی وقوع الطلاق بلفظ مات و گوھار** وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت شہیدؒ کے تحریر کردہ فتاویٰ کے مجموعے پر کام جاری ہے جو بتوفیق اللہ عنقریب منظر عام پر آجائے گا۔ ابھی حضرت شہیدؒ احسن الفتاویٰ کی تخریج، بلوچی ترجمہ قرآن، **تخریج الفتاویٰ الزینیۃ** پر کام کررہے تھے کہ دشمنوں اور حاسدوں نے انہیں موقع نہیں دیا اور ہم سے جدا کردیا۔ غرض تیس سے زائد مفتی صاحب کی تصانیف ہیں، جن میں اکثر شائع ہوچکی ہیں۔

شہید مفتی صاحبؒ نے دینی اور معاشرتی سطح پر بے حساب خدمات سرانجام دیں، جن کو اس مختصر مضمون میں ضبطِ تحریر میں لانا ممکن ہی نہیں۔ وفاق المدارس کے قیام کے بعد مکران ڈویژن میں مدارس کے وفاق المدارس کے ساتھ رجسٹریشن اور دوسرے امور کی ذمہ داریاں شروع سے تادمِ شہادت آپؒ کے کندھوں پر تھیں۔ آپؒ شروع سے لے کر شہادت تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مکران ڈویژن کے مسؤل کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ مکران میں ڈویژن سطح پر امن کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کے آپؒ نہ صرف ممبر تھے بلکہ ضلعی سطح کے چیئرمین کی ذمہ داریاں بھی آپ نبھاتے رہے۔ اس کے علاوہ بلوچ قبائل میں روایتی دشمنیوں کی وجہ سے کئی پشتی خونی تنازعات چلتے رہے ہیں جن کا آپؒ کو احساس اور ادراک تھا، اسی لیے آپؒ ہمیشہ ان تنازعات کو بڑھنے سے روکنے اور دیرینہ خونی دشمنیوں کے تصفیہ کی کاوشوں میں مصروف رہے اور اپنے غیر جانبدارانہ اور مخلصانہ کردار کی وجہ سے کئی خونی قبائلی دشمنیوں کا تصفیہ بھی کرایا، جن کی وجہ سے آپ کو پورے علاقے میں ایک محترم مصالحت کار اور عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

۱۹؍شوال ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز اتوار کو مفتی صاحب شہیدؒ نے طلبہ کو عصر کے بعد درس دیا اور اپنے بیٹے مولانا شبیر احمد کے ہمراہ (جو کہ جامعہ کے مدرس تھے) اپنی گاڑی میں کسی رشتہ دار کی عیادت کے لیے روانہ ہوئے اور پونا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ اور ان کے بیٹے کی شہادت کی خبر نے پورے علاقے کو یتیم بنا کر بے نور کردیا۔ دوسرے دن ۲۰؍شوال کو ہزاروں لوگوں کی آہوں سسکیوں اور درد بھری ہچکیوں کے ساتھ جاں نثاروں اور عقیدت مندوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپؒ کی خدمات کے اعتراف میں آخری اور الوداعی سلام پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے بیٹے کی شہادت کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند عطا فرمائے۔ مفتی شہیدؒ کے پسماندگان میں ایک بیوہ سات بیٹے اور چار بیٹیاں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور شہید کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) قارئین بینات سے حضرت مفتی صاحبؒ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

قربانی کرنے والے کے مقام کا اعتبار ہوگا یا جانور کے مقام کا؟

ادارہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اگر کوئی برطانیہ میں مقیم ہو اور وہ پاکستان میں کسی کو اپنا وکیل بنا دے کہ آپ میری طرف سے قربانی کریں، چونکہ عموماً برطانیہ والے پاکستان سے دو دن پہلے عید کرتے ہیں یعنی جس دن پاکستان میں عید ہوتی ہے وہ ان کا تیسرا دن ہوتا ہے اور جب پاکستان میں عید کا دوسرا دن ہوتا ہے تو ان کے ایامِ عید ختم ہو چکے ہوتے ہیں تو کیا یہ وکیل ان کی طرف سے دوسرے دن میں قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی قربانی میں قربانی کرنے والے کے مقام کا اعتبار ہوتا ہے یا جانور کے مقام کا؟

جبکہ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ جانور کے مقام کا اعتبار ہوگا اور دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے فتویٰ دیا گیا ہے کہ قربانی کرنے والے کے مقام کا اعتبار ہوگا، جس کی فوٹو کاپی ساتھ منسلک کی جاتی ہے، برائے کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ مستفتی: ارشادالرحمٰن، اٹک

الجواب ومنه الصدق والصواب

بطورِ تمہید چند امور کا ابتداء میں ذکر کرنا ضروری ہے، تاکہ اصل مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ کے اندر قربانی کا تعلق چونکہ مخصوص ایام ومخصوص زمانہ کے ساتھ رکھا گیا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے قربانی کے وجوب کے لیے بنیادی اعتبار سے دو شرطیں ضروری قرار دی ہیں:

۱- ایک یہ کہ نفسِ وجوب پایا جائے، یعنی ایامِ نحر کے مخصوص ایام شروع ہو جائیں، جو ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے لے کر بارھویں ذوالحجہ کے سورج غروب ہونے سے پہلے تک ہے، یعنی مذکورہ ایام کا دخول قربانی کے نفسِ وجوب کے لیے بنیادی شرط

ہے، ان تین ایام میں جس دن بھی چاہے قربانی کرنا جائز ہے، ان دنوں کے علاوہ میں قربانی کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''وأیام النحر ثلاثة: یوم الأضحی وهو الیوم العاشر من ذی الحجة، والحادی عشر، والثانی عشر بعد طلوع الفجر من الیوم الأول إلٰی غروب الشمس من الیوم الثانی عشر''۔ (کتاب التضحیۃ، ج:۴،ص:۱۹۸،ط: دار احیاء التراث العربی ۔کذا فی الہندیۃ، الأضحیۃ، الباب الثالث: فی وقت الأضحیۃ، ج:۵،ص:۲۹۵، ط: رشیدیہ)

اس طرح ان ایام کے گزرنے کے بعد بھی قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں ہے:

''ولو ذهب الوقت تسقط الأضحیة۔'' (فتح القدیر، الأضحیۃ، ج:۸،ص:۴۲۵، ط: رشیدیہ)

۲- دوسری یہ کہ شرطِ وجوب بھی ہو اور وہ ''غنیٰ'' (مالداری) ہے، یعنی اس شخص پر قربانی لازم ہو جاتی ہے جو مقدارِ نصاب یا اس سے زائد کا مالک ہو، یا اس کی ملکیت میں ضرورت سے زائد اتنا سامان ہو جس کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کے برابر ضرورت سے زائد دیگر اشیاء اس کی ملکیت میں ہوں، جیسا کہ ''الدر مع الرد'' میں ہے:

''وشرائطها أی شرائط وجوبها: الإسلام والإقامة، والیسار الذی یتعلق به وجوب صدقة الفطر'' وفی الشامیة: (قوله: والیسار) بأن ملک مائتی درهم أو عرضًا یساویها غیر مسکنه وثیاب اللبس أو متاع یحتاجهٗ إلٰی أن یذبح الأضحیة ولولهٗ عقار یستغلهٗ، فقیل: تلزم لو قیمتهٗ نصاباً وصاحب الثیاب الأربعة لو ساویٰ الرابع نصابًا غنی وثلاثة فلا...الخ۔'' (الأضحیۃ، ج:۶،ص:۳۱۲، ط: سعید)

غرضیکہ یہ دو چیزیں قربانی کے وجوب کے لیے بنیادی شرطیں ہیں، لہٰذا پہلی شرط کے مطابق وقت کے داخل ہونے کے بعد ہی قربانی کرنا جائز ہوگا، نہ وقت سے پہلے جائز ہے اور نہ ہی وقت کے ختم ہونے کے بعد جائز ہے، جیسا کہ ''شرح العنایة علٰی هامش فتح القدیر'' میں ہے:

''فلایجوز فی لیلة النحر ألبتة لوقوعها قبل وقتها لا فی لیلة التشریق المحض لخروجه''۔ (الأضحیۃ، ج:۸،ص:۴۳۲، ط: رشیدیہ)

نیز قربانی کرنے والا جس ملک میں موجود ہے اس ملک کے ایام النحر کا اعتبار رہوگا، اگر کوئی پاکستانی مثلاً برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہاں ایام النحر شروع ہو جائیں تو اس پر لازم ہے کہ برطانیہ کے ایامِ نحر کے اعتبار سے قربانی کرے، کیونکہ وہاں نفسِ وجوب کا سبب پایا جا چکا ہے۔

پھر یہ کہ قربانی کرنے والے حضرات یا تو شہری ہوتے ہیں یا دیہاتی، شہری باشندوں کا حکم الگ ہے اور دیہات میں رہنے والوں کا حکم الگ ہے۔

شہری باشندوں کے لیے نمازِ عید سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز نہیں، جبکہ دیہات

میں رہنے والوں کے لیے طلوعِ صبح صادق کے ساتھ ہی قربانی کا جانور ذبح کرنا درست ہے، اس لیے کہ ان پر عید کی نماز واجب نہیں، جیسا کہ ''ہندیہ'' میں ہے:

''**والوقت المستحب للتضحية فی حق أهل السواد بعد طلوع الشمس وفی حق أهل المصر بعد الخطبة، كذا فی الظهيرية۔**'' (الأضحیۃ، الباب الثالث فی وقت الأضحیۃ، ج:۵،ص:۲۹۵، ط:رشیدیہ)

''فتح القدیر'' میں ہے:

''**ووقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر إلا أنهٗ لايجوز لأهل الأمصار الذبح حتی يصلی الإمام العيد۔**'' (الأضحیۃ، ج:۸،ص:۴۳۰، ط:رشیدیہ)

مذکورہ سطور سے معلوم ہوا کہ نفس وجوب کا تعلق مکلّف یعنی قربانی کرنے والے کے ذمہ کے ساتھ ہے، لہٰذا نفسِ وجوب میں قربانی کرنے والے کے محل (مکان) کا اعتبار ہوگا۔ نیز مذکورہ بالا تفصیل کا تعلق اس مسئلہ کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی شخص بذاتِ خود اپنے مکان ومحل میں قربانی کرے، لیکن اگر کوئی شخص از خود اپنے محل میں قربانی نہیں کرتا، بلکہ کسی دوسرے ملک میں رہنے والے کسی دوسرے شخص کو اپنی قربانی کا وکیل بنادے تو اس مسئلہ سے متعلق حکم کے لیے آئندہ سطور میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ نفسِ وجوب کا سبب یوم النحر ہے، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی قربانی کے لیے کسی دوسرے ملک میں رہنے والے کسی شخص کو وکیل بنادے تو ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ قربانی کا وکیل بننے والا اور کروانے والا (مؤکل) دونوں کے ہاں یوم النحر ہو چکا ہے یا نہیں؟ اگر یوم نحر ہو چکا ہے تو نفس وجوب ہوگیا، اب دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں قربانی کرنے والا خود قربانی کرے یا کسی کو وکیل بنا کر کروائے، دونوں صورتوں میں قربانی شرعاً ادا ہو جائے گی، لیکن قربانی والا جہاں رہ رہا ہے اگر وہاں یوم نحر نہیں ہوا ہے جو کہ نفس وجوب کا سبب ہے تو جس طرح اس وقت وہ خود اپنی قربانی نہیں کرسکتا، اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی نہیں کرسکتا، اگر چہ دوسرے شخص یعنی وکیل کے شہر یا ملک میں یوم النحر شروع ہو چکا ہو۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قربانی کے لیے رقم کسی دوسرے ملک میں بھیج دے اور کسی کو قربانی کرنے کے لیے کہہ دے تو اس طرح رقم بھیج کر قربانی کرنا اگر چہ درست ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ قربانی دونوں ملکوں کے مشترکہ دن میں کی جائے ورنہ قربانی درست نہیں ہوگی، مثلاً: برطانیہ میں پاکستان کے حساب سے دو دن پہلے اگر قربانی کے ایام شروع ہوتے ہیں اور پاکستان میں دو دن بعد تو برطانیہ میں رہنے والے آدمی کی قربانی پاکستان میں صرف پہلے دن میں صحیح ہوگی، دوسرے اور تیسرے دن میں نہیں، کیونکہ پاکستان کا پہلا دن برطانیہ کے حساب سے قربانی کا تیسرا دن ہے، جبکہ دوسرا اور تیسرا دن برطانیہ کے حساب سے

قربانی کا دن نہیں۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ برطانیہ کا وقت پاکستان کے وقت سے پانچ گھنٹے پیچھے ہے، مثلاً: جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہوتے ہیں تو برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہو اور وہ پاکستان میں کسی کو اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کا وکیل بنا دے تو پاکستان میں اس کی قربانی اس وقت تک شرعاً معتبر نہ ہوگی جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح طلوع نہ ہو، کیونکہ یومِ نحر کی ابتداء دس ذوالحجہ کی طلوع صبح صادق سے ہوتی ہے۔

لہٰذا برطانیہ اور پاکستان کے ایام النحر میں جو دن دونوں ملکوں میں مشترک ہو صرف اس دن میں قربانی کرنا صحیح ہوگا، اس کے علاوہ دنوں میں قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا۔ باقی فقہاء کی جن عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان اضحیہ کا اعتبار ہے تو اس کا تعلق ''اداء'' سے ہے یعنی جانور جس جگہ پر ہے ذبح کے احکامات میں وہاں کا اعتبار ہوگا، نفس وجوب میں وہاں کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ نفس وجوب میں مکلّف یعنی قربانی کرنے والے کے محل کا اعتبار ہوگا۔

اگر جانور دیہات میں ہے تو اس صورت میں دیہات میں قربانی کے جانور کو صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کرنا جائز ہوگا، اگرچہ خود قربانی کروانے والا شہر میں ہو، جیسا کہ ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''ولو أخرج الأضحية من المصر فذبح قبل صلوٰة العيد قالوا: إن خرج من المصر مقدار ما يباح للمسافر قصر الصلوٰة فی ذلک المكان جاز الذبح قبل صلوٰة العيد وإلا لا''۔ (الأضحیۃ، الباب الرابع: فیما بالمکان والزمان، ج:۵، ص:۲۹۶، ط: رشیدیہ)

''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''روی عن أبی يوسفؒ: يعتبر المكان الذی يكون فيه الذبح، ولا يعتبر المكان الذی فيه المذبوح عنه وإنما كان كذٰلک لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لإمكان المفعول عنه''(کتاب: التضحیۃ، فصل: وأما شرائط إقامۃ الواجب، ج:۵، ص:۷۴، ط: سعید)

اس کے برعکس اگر جانور شہر میں ہے اور قربانی کرنے والا دیہات میں ہو تو اس صورت میں جب تک شہر میں کسی ایک جگہ پر بھی عید کی نماز نہیں ہوگی، جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ''ہندیہ'' میں ہے:

''ولو كان الرجل بالسواد وأهله بالمصر لم تجز التضحية عنه إلا بعد صلوٰة الإمام''۔ (الأضحیۃ، الباب الرابع: فیما یتعلق بالمکان والزمان، ج:۵، ص:۲۹۶، ط: رشیدیہ)

غرضیکہ ''مكان الأضحية'' سے مطلق مراد لینا کہ قربانی کا جانور جہاں پر ہے وہاں اگر ایام نحر شروع ہیں تو قربانی کرنا جائز ہے، چاہے قربانی کرنے والا کسی ایسے ملک میں کیوں نہ ہو جہاں ایام نحر ابھی شروع ہی نہیں ہوئے ہیں، ہرگز درست نہیں، کیونکہ جہاں ایام نحر شروع ہی نہیں ہیں وہاں اس شخص پر وجوب کا سبب ہی متحقق نہیں ہوا اور وجوب ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ نفسِ وجوب کا تحقق نہ ہو۔

اس پوری تفصیل کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہوا کہ قربانی کروانے والے (مؤکل) اور کرنے والے (وکیل) کے مکان میں اگر اختلاف اور فرق ہوتو دونوں جگہوں میں دیگر شرائط کے ساتھ ایام نحر کا پایا جانا ضروری ہے۔

باقی جہاں ''فتاوی رحیمیہ'' میں ایک سوال کے جواب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق مکان اضحیہ کو معتبر قرار دیا ہے خواہ قربانی کروانے والے شخص (مؤکل) پر نفسِ وجوب (ایامِ نحر کا پایا جانا) متحقق ہوا ہو یا نہیں۔ تو گزشتہ تفصیل اور فقہاء کرام کی صریح عبارات کے مطابق یہ رائے درست نہیں ہے، کیونکہ جواب میں پیش کردہ صاحبِ ہدایہ کی عبارت کا تعلق شہری اور دیہاتی سے متعلق ہے کہ شہری اگر دیہات میں اپنا جانور قربانی کی نیت سے بھیج دے تو ایسی صورت میں مؤکل کے شہر میں عید کی نماز پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو بہر دوصورت دیہات میں اس جانور کی قربانی شرعاً معتبر ہوگی اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شہر میں رہنے والے شخص پر قربانی کا وجوب متحقق ہو چکا ہو اور وہ ایام نحر ہیں۔ قربانی کا وجوب متحقق ہونے سے قبل اگر جانور ذبح کردیا جائے تو لامحالہ ایسی قربانی شرعاً معتبر نہیں۔

لہٰذا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سائل کے جواب میں یہ فرمانا کہ مدراس میں عید الاضحیٰ پیر کے دن ہو اور مدراس میں رہنے والا کوئی شخص حیدرآباد میں رہنے والے کسی شخص کو اپنی قربانی کے لیے وکیل بنادے، جبکہ حیدرآباد میں عید الاضحیٰ مدراس سے ایک دن قبل یعنی بروز اتوار ہو تو مدراس والے کی طرف سے حیدرآباد میں بروز اتوار قربانی کی جاسکتی ہے۔ تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے فقہی عبارات کے مطابق درست نہیں ہے، کیونکہ قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت مدراس والے پر قربانی کا وجوب ہی متحقق نہیں ہوا جس کی تحقیقی تفصیل ماقبل میں گزری اور ادباً عرض ہے کہ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہمیں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یا رائے سے اتفاق نہیں ہے۔

باقی زیرِ بحث مسئلہ کے بارے میں استفتاء کے ہمراہ منسلک دار العلوم کراچی کے فتویٰ کو بغور پڑھنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی مطلق جانور کا محل معتبر نہیں، بلکہ مؤکل پر بھی نفسِ وجوب کا پایا جانا ضروری ہے، یعنی دونوں جگہوں پر ایامِ نحر کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں ان کی اور ہماری آراء میں کوئی اختلاف نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبد المجید دین پوری	محمد انعام الحق	محمد شفیق عارف	طارق جمیل
الجواب صحیح	الجواب صحیح		متخصص فقہ اسلامی
محمد عبد القادر	محمد داؤد		جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

ادارہ

حیات وخدمات نمبر (ماہنامہ ''الحق'' کی خصوصی اشاعت)

بیاد: شیخ التفسیر مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتدوین: مولانا محمد اسرار ابن مدنی۔ صفحات: ۶۴۰۔ رعایتی قیمت: ۳۰۰ روپے۔
ناشر: مؤتمر المصنفین جامعہ دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، خیبر پختون خوا۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ماہنامہ ''الحق'' نے اس خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اس کا پیش لفظ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے، اس میں لکھتے ہیں:

> ''ماہنامہ ''الحق'' کی اس خصوصی اشاعت کی شکل میں یہ جانے والے مرحوم کی خدمات میں دار العلوم حقانیہ کا ایک معمولی سا نذرانۂ عقیدت ہے، جسے ''بضاعۃ مزجاۃ'' کے طور پر ان کی بارگاہ میں تحسین وعقیدت کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ حضرتؒ کے تلامذہ، خدام، متعلقین، احباب اور ملک کے نامور قدر شناس اصحابِ علم وفضل کی محبتوں اور محنتوں کا یہ سجا سجایا گلدستہ وقت کی کمی اور مناسب اسباب کی قلت کے باوجود کسی حد تک آنے والی نسلوں کے لیے علم وعمل کے میدانوں میں رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہوگا۔''

یہ خصوصی اشاعت حضرتؒ کی سوانح حیات، علمی جامعیت اور اوصاف وکمالات، قومی، ملی، سیاسی خدمات اور مجاہدانہ کارنامے، اعترافِ عظمت وکمال، درسی افادات وملفوظات، سفرِ آخرت، مذہبی رسائل میں تعزیتی شذرات، علمی مآثر، مکاتیب اور قلمی شہ پارے، تعزیتی ریفرنس اور خطبات، تعزیتی مکاتیب، منظوم خراجِ عقیدت اردو وعربی جیسے عنوانات پر مشتمل ہے۔

اپنے اکابر کے حالات اور واقعات زندگی پر مشتمل ان خصوصی اشاعتوں اور نمبرات کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والی نسل کو اپنے اسلاف کے طرزِ زندگی اور ان کی علمی وعملی زندگی کو قریب سے دیکھنے اور پڑھنے کا ایک موقع مل جاتا ہے اور اپنے طرزِ زندگی کو ان جیسا بنانا ان کے

لیے آسان ہوجاتا ہے۔ بہرحال حضرت رحمہ اللہ کی زندگی پر یہ ایک وقیع نمبر ہے۔ اہل علم حضرات کے لیے ماہنامہ ''الحق'' کی طرف سے یہ علمی سوغات ہے، جس کی قدر افزائی کیا جانا ضروری ہے۔

آباء کے دیس میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی۔صفحات: ۲۲۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد۔

حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے رئیس وشیخ الحدیث اور وفاق المدارس العربیہ جنوبی پنجاب کے ناظم ہیں، باوجود بیمار رہنے کے بہت ہی فعال، دینی، فلاحی اور سماجی کاموں کے علاوہ تعلیمی میدان میں بھی اعلیٰ سوچ وفکر کے حامل ہیں۔ آج آپ کے ادارہ کی جتنا بھی علمی وروحانی اور تعمیراتی بہار ہے وہ آپ ہی کی محنتوں، تکلیفوں اور مشکلات کا ثمرہ ہے۔ آپ اسی دینی جذبہ کے تحت جمعیت علمائے ہند کی دعوت پر ممتاز علمائے کرام کے ایک نمائندہ وفد کے ساتھ اپنے اکابر ومشائخ کے منبع علوم وفیوضات کو قریب سے دیکھنے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ اور پورے سفر اور وہاں کا آنکھوں دیکھا حال یوں تحریر کیا، گویا قاری اپنی آنکھوں سے پورا منظر دیکھ رہا ہے۔

بہرحال یہ کتاب بہت عمدہ علمی وروحانی سفرنامہ ہے جو کہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ امید ہے باذوق حضرات ایک بار ضرور اس کا مطالعہ فرمائیں گے۔

الحاج بشیر احمد زرگر

ڈاکٹر عبدالشکور عظیم۔صفحات: ۳۹۲۔ قیمت: ۴۰۰ روپے۔ ناشر: الفرقان، کینٹ بازار، ملیر کینٹ، کراچی

ڈاکٹر عبدالشکور صاحب نے یہ کتاب بظاہر تو ایک دینی، علمی اور ملی شخصیت اپنے تایا جناب الحاج بشیر احمد زرگر مدظلہ کے دینی وسیاسی کارناموں کے تذکرہ، حالات اور واقعات کے بیانیہ کے لیے مرتب کی ہے، لیکن اس میں بہت سے اکابر کے حالات، واقعات اور کرامات بھی یکجا ہوگئی ہیں۔ اس کے علاوہ بزرگوں کے ملفوظات کا بھی ایک کثیر حصہ اس میں آ گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالشکور صاحب اس سے پہلے ''آنسوؤں کا سفر''، ''جسے چاہا در پہ بلالیا'' اور ''حضرت اباجیؒ'' جیسی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں پاکستان کے جلیل القدر علماء ومشائخ سے تعارف اور ان کے دینی وعلمی کارناموں سے آگاہی ملتی ہے، وہاں ان عظیم شخصیات کے ایمان افروز واقعات سے روشنی بھی میسر آتی ہے۔

بازگشت کا تسلسل

جناب خورشید احمد۔صفحات: ۲۰۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ، خیبر پختون خوا، پاکستان۔

زیرتبصرہ کتاب ''بازگشت کا تسلسل'' حمد ونعت کا مجموعہ ہے، جو جناب مؤلف خورشید احمد صاحب کی پہلی تاریخی کاوش' شاہکار ادبی شہ پارہ ہے۔ جناب موصوف ایف جی ڈگری کالج اٹک کے پرنسپل ہیں۔ ایک عرصہ آپ مدینہ طیبہ میں رہے اور اب یادِ ماضی میں تڑپ رہے ہیں، اس تڑپ کی کچھ جھلکیاں اس مجموعہ میں بھی نظر آتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعہ کو ان کی نجات اور قارئین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنائے، آمین۔

سیرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

جناب مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی۔ صفحات: ۲۶۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ اشاعت اسلام مانچسٹر۔ پاکستان میں ملنے کا پتہ: صدیقی ٹرسٹ، ۴۵۸، گارڈن ایسٹ، نز دلسبیلہ چوک کراچی۔

مؤلف محترم جناب مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب کتب کثیرہ کے مؤلف ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو سیالِ قلم عطا فرمایا ہے، خصوصاً صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب اور ان کی سوانح کا آپ کو عمدہ ذوق ودیعت کیا گیا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب پر مشتمل ہے، نیز آپؓ کی شہادت پر ایک طبقہ جو محرم الحرام جیسے بابرکت مہینہ میں شہادتِ حسین (رضی اللہ عنہ) کی نسبت سے سڑکوں اور چوراہوں پر ماتم برپا کرتا ہے' اس کتاب میں قرآن، حدیث اور اقوال ائمہ کرامؒ واہل بیتؓ کی عبارات سے اس کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔ کتاب کی فہرست میں نمبر شمار اور صفحہ نمبر نہیں لکھے گئے۔ بہرحال کتاب بہت زیادہ علمی، بلکہ معلومات کا خزینہ ہے۔ امید ہے اس کی قدر افزائی کی جائے گی۔

اسلام میں اولاد کی تربیت اور اس کے حقوق

حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

حضرت مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی دامت برکاتہم العالیہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کے رئیس واستاذ حدیث رہے ہیں، اس زمانہ میں آپ جامع مسجد عثمانیہ کے خطیب بھی تھے۔ بعض احباب نے آپ کو متوجہ کیا کہ والدین کے حقوق کے بارہ میں تو بہت ساری کتب مل جاتی ہیں، لیکن اولاد کے حقوق کے بارہ میں ہمیں کچھ معلومات نہیں۔ آپ نے اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ''اسلام میں اولاد کی تربیت اور اس کے حقوق'' کے عنوان پر جمعہ کے خطبات میں بیان شروع فرمایا جو ایک عرصہ تک چلتا رہا، اس بیان کو کیسٹوں سے نقل کرا کر اَب کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے، جس میں اولاد کی پیدائش سے لے کر شادی بیاہ تک ماں باپ کی ذمہ داریوں کے علاوہ کئی اور علمی موضوعات کو بھی اس کتاب میں سمویا گیا ہے۔ یہ ایک مختصر اور پر اثر کتاب ہے، جو ہر لائبریری اور ہر گھر کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب کی قدر افزائی کی جائے گی۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے واقعات

حضرت مولانا سعید احمد صدیقی۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

حضرت مولانا سعید احمد صدیقی فاضل علوم اسلامی، ایم فل کراچی، شعبہ تدریس اور تحقیق وتصنیف سے وابستہ ہیں، اس سے پہلے بچوں کے لیے ''ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے سیرت پر ایک کتاب مرتب کر چکے ہیں جو بچوں اور قارئین میں بے حد مقبول ہوئی، اس کتاب کو قومی سیرت کانفرنس میں انعام سے نوازا گیا۔

زیر تبصرہ کتاب ''پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے واقعات'' یہ ان کی دوسری کاوش ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مبنی واقعات بہت ہی دل چسپ اور عمدہ انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔ کتاب میں بچوں کے ذہنی معیار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اختصار اور جامعیت کی حامل یہ کتاب سیرت میں ایک مفید اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس پرخلوص کوشش وکاوش کو قبول فرمائیں اور آخرت میں نجات کا سبب وذریعہ بنائیں۔

ایصالِ ثواب کی درخواست

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ومتخصص مولانا محمد ولی اللہ صاحب کے والد محترم جناب **حسین احمد بن مولانا محمود اختر** صاحب حرکت قلب بند ہونے سے ۲۲ر شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۷ر جولائی ۲۰۱۶ء کو خالق حقیقی سے جا ملے، رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ مرحوم کے والد دارالعلوم دیوبند کے فاضل، حضرت مدنیؒ کے شاگرد اور جامعہ قاسم العلوم ملتان کے بانیوں میں سے تھے۔ مرحوم اگرچہ خود عالم نہ تھے، لیکن ایک بڑے عالم کے فرزند ہونے کی بنا پر علم اور علماء سے خصوصاً جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے بڑی گہری محبت رکھتے تھے۔ مرحوم نے اپنے پیچھے بیوہ، ۳ر بیٹے اور ۳ر بیٹیاں سوگوار چھوڑیں۔

قارئین بینات سے درخواست ہے کہ وہ مرحوم کے لیے خصوصی دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔